الحیاۃ بعد الممات
المکتبۃ الاثریۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقيق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیه ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم
ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما
سوانح حیات حضرت الامام سید محمد نذیر حسین صاحب مرحوم محدث دہلوی
الحیاۃ بعد المماۃ
از: حضرت مولانا فضل حسین بہاری [illegible]
المکتبۃ الاثریۃ
جامع اہلحدیث بالمقابل سانگلہ ہل
المکتبۃ الرحمانیۃ
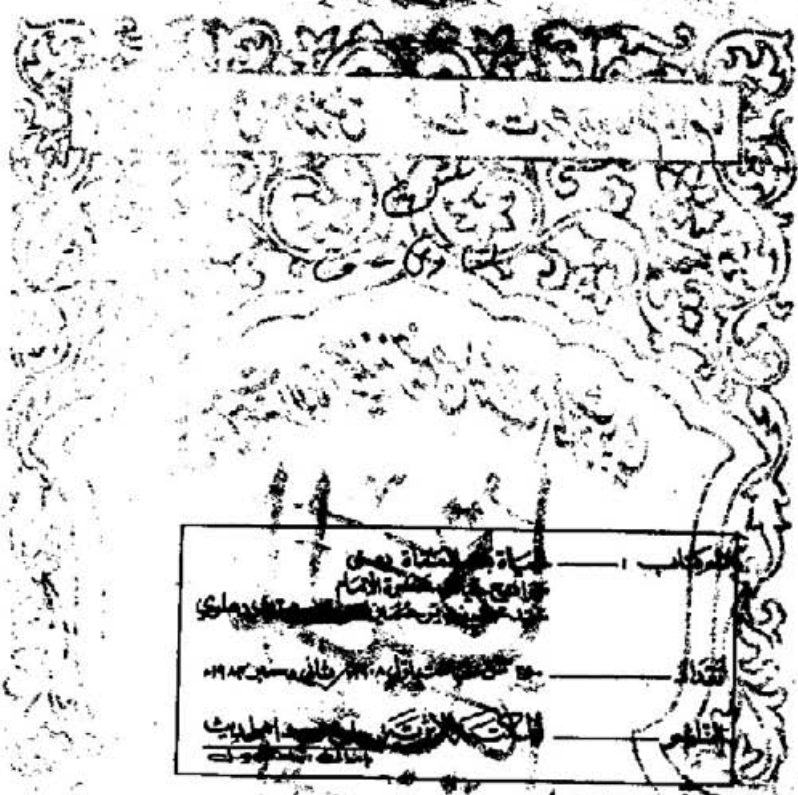
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالٰے نے جس طرح مادی کائنات کی حفاظت اور بقا کے لیے اسباب بنائے ہیں، اسی طرح دین حنیف کی ابدی حفاظت کے بھی اُس نے بہترین انتظامات فرمائے ہیں۔

چنانچہ اسلام کی چودہ صدیوں میں، ہر صدی میں کچھ ایسی پاک اور مثالی شخصیتیں پیدا فرماتا رہا ہے جن کی زندگیاں اعلاء کلمۃ التوحید اور احیاء سنّت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کے لیے وقف رہی ہیں۔ نامساعد حالات کے باوجود اپنے مشن پر ایسے قائم اور ثابت قدم رہے کہ الحاد اور زندیقیت کی گھٹاٹوپ آندھیاں ان کے پائے ثبات میں ذرہ برابر بھی لغزش پیدا نہ کر سکیں۔

مشرق، مغرب، جنوب، شمال میں کوئی ایسا ملک اور خطہ نہیں، جہاں اساطین علم دین نہ پیدا ہوئے ہوں، اور بحمد اللہ اللہ تعالٰے کا یہ وعدہ پورا ہوتا آیا ہے۔

"إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ" (الحجر)

یقیناً ہم نے ہی "الذکر" (یعنی قرآن حکیم کہ سرتاپا نصیحت ہے) اتارا، اور بلاشبہ ہم خود ہی اس کی نگہبانی کرنے والے ہیں۔

ہندوستان میں حضرت الامام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے بعد تیرھویں صدی ہجری کے آخری میں دو بزرگ ہستیاں ایسی ہوئی ہیں، جنہیں، احیاء سنّت اور طریقہ سلف کی خدمت میں بلند ترین مقام حاصل ہے۔

۱:۔ حضرت الامام، والاجاہ نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم آف بھوپال۔

۲:۔ حضرت شیخ الکل میاں سید محمد نذیر حسین صاحب۔ محدث دہلوی۔

نواب صاحب مرحوم مغفور ریاست بھوپال میں با اختیار مقام کے باوصف، تصنیف وتالیف اور دینی خدمات میں ہمہ تن مصروف تھے۔

ہندوستان میں تقلید ی جمود کہ اپنی انتہا کو پہنچا ہوا تھا جس کی ظلمات میں سنت نبویہ کا کوئی نشان بھی نظر نہیں آتا تھا۔ زندگی کے ہر گوشہ میں فقہ حنفیہ کے فتاوی۔ مثلاً بزازیہ، قاضی خاں اور عالمگیریہ، وغیرہ قرآن وحدیث کا مقام اختیار کیے ہوئے تھے۔ اس کے خلاف نواب صاحب کے قلم اشہب نے اتنا کام کیا کہ شاید بڑی جماعت بھی بمشکل کر سکے۔

نواب صاحب مرحوم کی تصانیف مختلف فنون میں سینکڑوں تک پہنچتی ہیں جن سے اہل علم عرب وعجم میں پورا پورا فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

۲۔ شیخ الکل حضرت میاں صاحب کے پاس اللہ تعالیٰ پر توکل اور مسجد کی چٹائیوں کے سوا اور کچھ بھی نہ تھا۔

میاں صاحب حضرت مولینا شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلوی کے شاگرد تھے۔ اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ سے نہایت والہانہ عقیدت تھی۔

علوم آلیہ وعالیہ میں بحر بے کنار تھے مزاج میں تواضع اور انکسار تھا، لالچ اور طمع ایسے رذائل سے طبیعت بالکل صاف شفاف تھی۔

علوم حدیث کی اشاعت اور مسلک سلف کی خدمت زندگی کا مقصد سمجھتے تھے۔ حضرت مولینا شاہ محمد اسحاق صاحب مرحوم کی ہجرت کے بعد، اُن کی مسند پر علوم دین کی خدمت کا موقعہ میسر آیا۔

حضرت مولینا شاہ محمد اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے تقلید مروّج کے خلاف جو جرأت مندانہ قدم اُٹھایا تھا، جہاد کی مصروفیات اور اس کے تقاضوں کی بنا پر اُس کی تکمیل نہ فرما سکے۔ حضرت میاں صاحب نے تمام مشاغل سے الگ ہو کر اسی کو مقصدِ حیات قرار دیا۔ اور پوری عمر اسی میں گذار دی۔

۱۸۵۷ء کے ہنگامہ دہلی میں گوناگوں مصائب اور پریشانیاں پیش آئیں۔ ہر طرف خوف وہراس طاری تھا، توپیں آتش باری کر رہی تھیں۔ ہنگامے بپا تھے۔ لیکن میاں صاحب کی مسندِ درس گرم تھی۔

اور ایک دن بھی سلسلہ تدریس میں کمی اور غیر حاضری نہیں ہونے دی۔

تدبّر و حکمت

آپ وفورِ علم کے ساتھ ساتھ صحت فکر، تدبر اور دور اندیشی میں اپنی مثال آپ تھے وقت کے تقاضوں اور مصالح کو پیش نگاہ رکھتے تھے۔ بتحارب طاقتوں سے نہ الجھنا، نہ مرعوب ہونا، انتہائی تدبر اور صحت فکر کی نشانی ہے۔

میاں صاحب بحمد اللہ ان تمام اوصاف حسنہ سے باحسن وجوہ متصف تھے۔ انگریزوں کے ظلم اور بدکرداریوں کی بنا پر ۱۸۵۷ء کا انقلاب جو بالکل بے قاعدہ تھا، سارے ملک میں پھیلا اور مسلمانوں کی بدنظمی کی وجہ سے بالکل ناکام رہا۔

اس وقت مسلمانوں کا حال یہ تھا کہ سربر آوردہ اور مغلیہ خاندان کے شہزادے اپنی لاأبالیوں میں سرمست تھے۔ اوباش قسم کے لوگ لوٹ، کھسوٹ میں مصروف تھے۔ نہ کوئی تنظیم تھا اور نہ جنگ و جہاد کی کوئی مستحکم پوزیشن تھی، ہر طرف ہنگامے ہی ہنگامے تھے۔ ایسے حالات میں انگریز سے لڑنا جبکہ انگریز اپنی پوری طاقت سے لیس تھا کسی طرح بھی مناسب نہ تھا بعض مقتدر اور ناعاقبت اندیش مولویوں نے انگریز سے جہاد کرنے کا فتوے صادر کیا جس کی تصدیق اور موافقت میاں صاحب سے طلب کی۔

میاں صاحب نے حالات کا اندازہ فرما کر، ازراہ نصیحت انہیں سمجھایا کہ حالات اس قدر ناسازگار ہیں کہ انگریز کی گرفت مضبوط ہو چکی ہے۔

اور اُن کے بالمقابل مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔

انگریزوں سے لڑائی کرنا اپنے آپ کو موت کے منہ میں ڈالنا ہے۔ جو کسی طرح بھی قرین قیاس نہیں۔

لہٰذا آپ نے اس فتوٰی پر دستخط کیے اور نہ ہی اپنی مہر لگائی۔

چنانچہ میاں صاحب خود فرماتے ہیں کہ "میاں وہ ہلڑ تھا، بہادر شاہی نہ تھی، وہ بیچارہ بوڑھا بہادر شاہ کیا کرتا۔ حشرات الارض، خانہ برانداز وں نے تمام دہلی کو خراب، ویران، تباہ اور برباد کر دیا۔

شرائط امارت و جہاد بالکل مفقود تھے، ہم نے تو اُس فتوے پر دستخط نہیں کیا، مہر کیا

کرتے اور کیا لکھتے۔"

مفتی صدر الدین خاں صاحب چکر میں آ گئے۔

بہادر شاہ کو بھی بہت سمجھایا کہ انگریزوں سے لڑنا مناسب نہیں ہے۔ مگر وہ باغیوں کے ہاتھ کٹھ پتلی ہو رہے تھے۔ کرتے تو کیا کرتے۔

اسی دوران جبکہ تمام شہر محصور اور قلعہ بند ہو رہا تھا۔ آپ قلعے میں گئے۔ دیکھا، کہ شہزادوں کے ہاتھیوں کے جھول نہایت ہی پر تکلف تیار ہو رہے ہیں اور بے فکر شاہزادے سامنے پیچواں (لمبی لمبی نے والے حقے) لگائے گپ لڑا رہے ہیں۔ آپ نے بہادر شاہ سے جا کر کہا کہ کیا حضور! انہیں شاہزادوں کو ہاتھیوں پر ساتھ لے کر انگریزوں سے لڑیں گے۔ اس پر بادشاہ جیب ہو گیا۔" (الحیاۃ بعد المماۃ ص۔۔۔)

ناظرین کرام یہ تھے وہ حالات جن کی بنا پر میاں صاحب نے انگریزوں کے خلاف جہاد کرنے کے فتویٰ پر دستخط نہیں فرمائے۔

اسی زمانہ میں آپ نے ایک انگریز عورت کو باغیوں سے بچایا اور اُسے پناہ دی، یہ بالکل اسلامی تعلیمات کے مطابق عمل تھا۔ کہ عورت پر ہاتھ اُٹھانا شرعًا درست نہیں ہے۔

میاں صاحب کی مصلحت اندیش باتوں کو، مولینا فضل الرحمٰن صاحب بہاری (مصنف الحیاۃ بعد المماۃ) نے، گورنمنٹ انگلشیہ کے ساتھ وفاداری، سمجھ لیا اور کتاب میں "گورنمنٹ انگلشیہ کے ساتھ وفاداری" کا عنوان قائم کر دیا۔

حالانکہ ان باتوں کا حقائق سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ یہ مصنف علام کی محض غلط فہمی ہے۔

اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے۔

میاں صاحب نے اس پُر آشوب دور میں، اُسوۂ حسنہ پر عمل کیا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام پر مکی دور میں بڑے بڑے مصائب اور شدائد آئے۔

کفار کی طرف سے آپ کی مخالفت پورے زور و شور سے ہو رہی تھی۔ آپ پر اور صحابہ کرام پر سخت ظلم و ستم توڑے جا رہے تھے۔

ان حالات میں اللہ تعالےٰ نے، صادق الایمان لوگوں کو کفار مکہ سے جہاد کرنے کے بجائے عزم وہمت اور استقامت پیدا کرنے کے احکام نازل فرمائے اور بعض مکی سورتوں

میں ہجرت کر جانے کا حکم فرمایا۔
کیا مکی دور میں کفار سے جہاد نہ کرنے کا حکم کفار سے دفا داری اور اُن سے ہمدردی کی بنا پر تھا۔؟
کیا کوئی مسلمان اس بات کو تسلیم کرنے پر تیار ہے؟
ہرگز نہیں!
بلکہ بات یہ تھی کہ کفارِ مکہ سے جہاد کرنے کے ذرائع واسباب مسلمانوں کے پاس بالکل مفقود تھے۔
اس لیے اللہ تعالٰی کی طرف سے جہاد کا حکم نہیں آیا۔
چونکہ ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں مسلمانوں کی بد نظمی کی وجہ سے یہی کیفیت تھی۔ اس لیے میاں صاحب نے انگریز کے خلاف جہاد کرنے کے فتوے پر دستخط نہیں فرمائے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ میاں صاحب! انگریز کے ہمدرد اور وفادار تھے۔

میاں صاحب کے علوم کا اثر

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ میاں صاحب علوم آلیہ وعالیہ کے جامع علوم تھے۔ اس لیے آپ کے تلامذہ میں سے ہر ایک نے، اپنی استعداد، اور اپنے مزاج اور طریق کار کے مطابق الگ الگ اثر لیا۔

۱۔ چنانچہ مولینا حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری، مولینا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی، مولانا محمد ابراہیم صاحب آروی رحمہم اللہ تعالٰی علیہم اجمعین، انگریز کے سخت مخالف تھے اور طبیعت میں جذبۂ جہاد تھا، اس لیے مجاہدین کی تحریک سے وابستہ ہو کر اُن کی پوری پوری حمایت فرمائی۔
اس تحریک نے جب ۱۸۳۱ء کے بعد مخفی طور پر اپنا سلسلہ شروع کیا، تو ان حضرات کی مخلصانہ کوششوں سے تحریک زندہ رہی اور ۱۹۴۷ء تک انگریز کے لیے وبال جان بنی رہی۔
پنجاب میں مولینا عبدالقادر صاحب قصوری، مولینا عبدالازل صاحب غزنوی، مولینا فضل الٰہی صاحب وزیر آبادی، مولینا ولی محمد صاحب فتوحی والے اس تحریک کے

سرگرم رکن تھے۔

۲:۔ ایک جماعت کا رجحان درس، تدریس کی طرف تھا، جن میں مولینا محمد بشیر صاحب سہسوانی صاحب۔ مولانا حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری۔ مولینا عبدالجبار صاحب غزنوی، مولینا حافظ عبدالمنان صاحب وزیرآبادی۔ وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

۳:۔ بعض کا ذوق تصنیف وتالیف کی طرف تھا، مولانا شمس الحق صاحب ڈیانوی، مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوری، مولانا محمد حسین بٹالوی، مولینا ثناء اللہ صاحب مرحوم امرتسری تقبل اللہ مساعیہم وارضاہم۔

۴:۔ بعض کی طبیعت میں مناظرانہ ذوق تھا۔ مولینا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی، مولینا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری، مولینا عبدالحکیم صاحب نصیرآبادی وغیرہم۔

۵:۔ اور کئی وعظ وتقریر میں نابغہ روزگار تھے۔ مولینا محمد علی صاحب بوبڑہ، مولینا محمد صاحب لکھنوی، مولینا عبدالوہاب صاحب ملتانی، دہلوی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

حضرت میاں صاحب کی جامعیت کے یہ تاثرات تھے جو آپ کے تلامذہ کرام میں مختلف طور پر پائے گئے ہیں۔ ہر ایک نے آپ سے اپنی استعداد کے مطابق اخذ کیا اور اسی تأثر کے ماتحت اپنے اپنے ماحول اور علاقہ میں دین کی خدمت فرمائی۔

غرض آپ نے اپنی ساری عمر، صرف قرآن وحدیث کے درس پر ہی قناعت نہیں کی۔ بلکہ اپنے طرز عمل سے برّ صغیر میں ایک بہت بڑی جماعت کو قولاً وعملاً اہل حدیث بنا دیا آج برصغیر میں حدیث نبوی کا جو کچھ اثر اور مسلک اہل حدیث کی کامیابی نظر آرہی ہے۔ یہ سب میاں صاحب مرحوم کی علمی وعملی کاوشوں کی مرہون منت ہے۔

آپ کے شاگرد رشید مولینا فضل حسین صاحب بہاری رحمۃ اللہ علیہ، صد مبارک باد کے مستحق ہیں، اور دل سے دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی خصوصی رحمتوں سے نوازے۔ آمین! انہوں نے نہ صرف میاں صاحب کی سوانح حیات، بنام "الحیاۃ بعد المماۃ" رقم فرمائی۔ بلکہ برصغیر میں علم حدیث کی آمد اور جماعت اہلحدیث کی مختصر تاریخ بھی بیان کر دی ہے جزاہ اللہ تعالےٰ احسن الجزاء۔

الحیاۃ بعد المماۃ ۱۳۲۶ھ، بمطابق ۱۹۰۸ء میں طبع ہوئی تھی۔

بعد ازاں ۱۹۵۹ء میں شعیب نامی، مکتبہ نے کراچی سے شائع کی بقول مولینا محمد اسمٰعیل

سلفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

اُسے دیکھ کر شرم بھی محسوس ہوتی ہے، اور دُکھ بھی ہوتا ہے۔

ان جواہر پاروں کو صرف مالی منفعت سے شائع نہیں کرنا چاہیئے۔ پاکباز بزرگ ہمارے اسلاف ہیں، وہ ہماری دوکان، کا سامان نہیں"۔

مدت ہوئی یہ نسخہ اساس بھی بازار سے دستیاب نہیں ہو رہا تھا، ضرورت تھی کہ اسے اچھے انداز سے شائع کیا جائے۔

اللہ تعالےٰ کا خاص احسان ہے کہ اب اس کتاب کی طباعت کی سعادت "المکتبۃ الاثریہ" سانگلہ ہل کو حاصل ہو رہی ہے۔

ہم نے ہندوستانی مطبوعہ نسخہ صحیحہ کا فوٹو لے کر طبع کیا ہے۔

کاغذ، طباعت اور جلد کی عمدگی کا بجد امکان پورا پورا خیال رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ شرف قبولیت سے نوازے۔ آمین۔

طالبِ دُعا

عبدالشکور اثری، سانگلہ ہل

۲۷ر دسمبر ۱۹۸۴ء

الحیاۃ بعد المماۃ
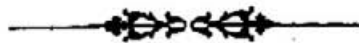
معروف بہ مولانا سید محمد نذیر حسین علیہ الرحمۃ محدث دہلوی کی

سوانح عمری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

اُنیسویں صدی کی اخیر چوتھائی صدی سے ہندوستان میں چند سوانح عمری کی اشاعت سے اتنا پتا تو ضرور چلتا ہے کہ ملک میں سوانح کے لکھنے، اُس کے پڑھنے اور دیکھنے کا مذاق فی الجملہ پیدا ہو گیا ہے۔

سوانح نگار کا یہ فرض ہے کہ وہ جس طرح اپنے ہیرو[1] کے اخلاق حمیدہ، صفات فاضلہ، ملکۂ راسخہ اور کمالات کو بیان کرے اسی طرح اُس کی کمزوریوں، فروگذاشتوں لغزشوں اور نقصانات کو بھی ظاہر کرے۔

تاکہ آنے والی نسلوں کے لئے سوانح عمری قطب نما کا کام دے سکے اور ہیرو کی سچی تصویر ثابت ہو نہ کہ اُس مرقعہ میں ایسی رنگ آمیزی کی جائے جس سے اصلی چہرہ تک نظر نہ آسکے اس فرض کو تسلیم کر لینے کے بعد نہایت ہی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ابھی تک ایک لائف بھی اُردو کی اس فرض کو پورا نہیں کر سکی۔

ہر چند عام طبیعت انسانی کا شاید مقتضا ہی یہ ہے کہ جب آدمی (چاہے وہ یورپ کا رہنے والا ہو یا ایشیا کا، افریقہ کا باشندہ ہو یا امریکہ کا) کسی کی لائف لکھنے بیٹھتا ہے تو اُس کی طبیعت میں خود بخود اپنے ہیرو کی وکالت کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے

---

[1] وہ ذات جو موضوع کتاب ہے ۱۲ منہ

جس سے وہ لغزشوں اور فروگذاشتوں کے بیان سے گریز کرتا ہے اور اگر گریز کا موقع نہیں ملتا تو پہلے نہایت آزادہ روی دکھاتا ہے۔ جرح کے الفاظ بھی شاندار اُس کے قلم سے نکلتے ہیں مگر نتیجہ نکالنے کے وقت بہت ہی خوبصورتی سے اپنی وکالت کا فرض پورا کرتا ہے اور مدحیہ ہی نتیجے نکالتا ہے مصرع ع بگڑنے پر بھی زلف اُس کی بنا کی +

اور مورخین کا ڈھنگ تو اُور ہی نرالا ہے کہ وہ پہلے سے جس کے ساتھ حسنِ ظن رکھتے ہیں اُس کے واقعات سے مدحیہ نتائج نکالنے کے درپے رہتے ہیں اور جس کے ساتھ پہلے ہی سے سوءظن رکھتے ہیں اُس کے واقعات سے نتائج بھی ویسے ہی نکالتے ہیں جس پر شاہد ہیں مختلف فرق اسلامی وغیر اسلامی کی تاریخیں۔

نیز اپنے نتائج کے دلائل میں رطب ویابس سے احتراز نہیں کرتے ایسی تاریخ نویسی و سوانح نگاری کو قصیدہ سرائی یا ہجو گوئی کہنا زیادہ مناسب ہے۔

تقریباً ساری دنیا کے مورخین اور سوانح نگاروں میں یہ باتیں کم و بیش پائی جاتی ہیں الا ماشاء اللہ۔

جس مشہور شخص مولانا سید محمد نذیر حسین علیہ الرحمہ محدث دہلوی کی لائف ہم لکھ رہے ہیں اور جن کو فی الحقیقت فاتح حصار تقلید کہنا بے جا نہیں ہے جن کے تلامذہ اقطاع عالم ....

(حجاز، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، یمن، نجد، شام، حبش، افریقہ، ٹیونس، الجزائر، کابل، غزنی، قندھار، پشاور، سمرقند، بلخ، بخارا، داغستان، ایشیا، کوچک، ایران، خراسان، مشہد، ہرات، چین، کوچین اور ہندوستان کے تقریباً ہر شہر، ہر ضلع اور بیشتر قصبے، قریئے اور دیہاتوں) میں شرقاً و غرباً جنوباً و شمالاً پھیلے ہوئے ہیں۔

جو علم حدیث کے نہایت زبردست امام تھے اور اُن کی زندگی میں پبلک اُن کو محدث عالم یا کم سے کم نہایت ہی جلیل القدر محدث مانتی تھی۔

مناسب تو یہ تھا کہ اُن کے سوانح عمری میں بہ نسبت دوسری لائفوں کے بہت زیادہ نکتہ چینی کا ارادہ کیا جاتا۔

کیوں کہ ترجمہ میں اس فن نکتہ چینی کے موجد حضرات محدثین ہی ہیں شکر اللہ سعیہم اور جس آزادی سے اس فرض کو اُن لوگوں نے پورا کیا ہے اِس وقت

باایں ہمہ تہذیب یورپ بھی اُس طرح ادا نہیں کر سکا۔

مگر افسوس اور سخت افسوس ہے کہ ہماری قوم اور ہمارا ملک ابھی اس کے لئے بالکل تیار نہیں ہے اور یہاں کی آنکھیں اِس قسم کی لائف کے دیکھنے کی عادی نہیں ہیں اِس لئے تصویر کا دوسرا رُخ دکھانے سے ہر بایو گرفر (سوانح نگار) معذور ہے۔

اور اگر کوئی منچلا ایسا کر گذرے بھی تو اُس کی کتاب کی قدر سودا کی ہجویات سے زیادہ نہیں ہوسکتی اور مصنف بادی النظر میں معاند خیال کیا جائے گا اور اس طرح کے سوانح سے کوئی عمدہ اور مفید اخلاقی سبق بھی حاصل نہیں ہوگا۔

باایں ہمہ میرے نزدیک سوانح نگار کے لئے ضرورت ہے ایک ایسے انصاف پسند دماغ اور آزاد قلم کی جو بلا طرفداری اور بلا لحاظ اپنے کسی عقیدۂ سابقہ و لاحقہ کے محض بے لاگ صرف واقعات کی بنا پر فیصلہ کر سکے مگر مجھ کو ایسا دعویٰ یا وعدہ کرنا چھوٹا منہ اور بڑی بات ہے خصوصاً جب کہ میں دیکھتا ہوں کہ ہندوستان کے ایسے مشہور سوانح نگار نے بھی جس کو اولیت کا تمغہ حاصل ہے (اور فی الواقع ہندوستان کے میسن اور گارڈنر خیال کئے جا سکتے ہیں) اس موقع پر چشم پوشی ہی سے کام لیا تو میں کیا اور میرا دعویٰ کیا

اِس کتاب کی غائت اور ضرورت

غایت اِس کی ہے بعض قوی العزم حکما کے اُس قول کی تصدیق کہ ناممکن ایک لفظ ہے جو پایا جاتا ہے بے وقوفوں کی لغات (ڈکشنری) میں اس کتاب کا ہیرو قرون اولے سے بارہ سو برس بعد پیدا ہوا، مگر اُس نے نہایت ہی استقلال کے ساتھ اپنی طول طویل صدسالہ زندگی کو باوجود بے انتہا مخالفتوں، مزاحمتوں، کشمکشوں اور مشکلات کے علما مجتہدین، تبع تابعین، تابعین اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی کا نمونہ بنا کر اہل عالم کو دکھا دیا کہ ہوا کا رُخ اگرچہ کیسا ہی مخالف کیوں نہ ہو مگر ایک ہوشیار، تجربہ کار، ماہر فن اور مستقل مزاج ناخدا کامیابی کے ساتھ اپنے بیڑے کو منزل مقصود تک پہنچا سکتا ہے۔

مغربی علوم و فنون اور دہریت کا جو سیلاب کہ ہندوستان اور دیگر ممالک اسلامی میں آگیا اور آرہا ہے اور انگریزی تعلیم جس تیزی سے ترقی کر رہی ہے اس سے اب اُمید

نہیں کہ اس لائف کے بعد موجودہ زمانہ کے لوگوں میں سے کسی کی لائف بھی ایسی ہو سکے گی جو گذشتہ بارہ سو برس سے اُدھر کا فوٹو سامنے رکھ دے، اس لئے بھی اس زندہ نظیر کی پاکباز مسلمانوں کو بہت ضرورت ہے۔

البتہ جدید تعلیم یافتہ (ایجوکیٹڈ) حضرات سے امید نہیں کہ وہ اس کی جانب توجہ کریں مگر اُن کی تعداد ہی کتنی ہے کیوں کہ ہندوستان میں جہاں چھ کروڑ مسلمان بستے ہیں مغربی تعلیم خواہ کتنی ہی ترقی کیوں نہ کر جائے وہ سو میں تو کیا ہزار میں بھی ایک ایجوکیٹڈ پیدا نہیں کر سکتی، اور دنیا کے کسی دوسرے حصہ میں بھی نواں کی آبادی کے عشر عشیر بھی ایجوکیٹڈ نہ پہلے ہوئے ہیں اور نہ اس وقت ہیں۔

بااین ہمہ میری رائے میں جب تک اسلام باقی ہے اسلام میں جوش باقی ہے مسلمانوں کو مسلمان رکھنے کے لئے اُن کے نبیؐ کا طریقہ اور اتباع نبیؐ کا چال چلن ایک موثر ذریعہ ہے اگر ایسا ہے اور ضرور ہے تو یہ لائف تمام مسلمانوں کے لئے یقیناً مفید ثابت ہو گی۔

اور یہ تو کسی زمانہ میں نہ ہوا ہے نہ ہوگا کہ پبلک خاص ملت جیسی زندگی اختیار کرے مگر ہاں ایسی نظیروں سے دل میں اُمنگ اور جوش تو ضرور پیدا ہو جاتا ہے اور بہ مصداق **مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ** کچھ نہ کچھ فائدہ بھی ان نظائر سے حاصل ہی ہو جاتا ہے علاوہ بریں یہ کہنا بھی غلط نہیں ہے کہ ترقی کر کے خاص ملت کے درجہ تک پہنچنے کے لئے سیدھا اور محفوظ زینہ اگلوں ہی کے کارناموں کا مطالعہ ہے۔

دوسری بات یہ بھی ہے کہ طبیعت انسانی کا مقتضا ہی یہ ہے کہ وہ حرکت کامل کے بعد ایک حد پر پہنچ کر ٹھیر جاتی ہے اور سکون درمیانی کے بعد دوسری جانب حرکت کرتی ہے انگریزی تعلیم کا ہندوستان میں ابھی زمانۂ نمو ہے اس لئے اس وقت ایجوکیٹڈس طبیعتیں چاہے دہریت کی طرف مائل ہوں یا نیچریت کی جانب مگر اس کے بعد ہی کے وقفہ میں کہولت اور شیخوخت کا زمانہ آنے والا ہے جس سے یہ قویٰ کمزور ہو کر بالآخر ایک ایسے عالم کی جانب (جو اَبدی ہے) رُخ کرنے والے ہیں۔ ایسی حالت میں اُن کی دستگیری کا ضامن صرف مذہب ہی ہو سکتا ہے۔ اور چوں کہ اسلام ہی

ایک حکیمانہ سادہ اور سچا مذہب دنیا میں ہے (جس میں نہ توحید فی التثلیث اور تثلیث فی التوحید یا کفارہ کی بھول بھلیاں ہیں، نہ عزیر خدا کا بیٹا، نہ کواکب پرستی کا مادہ، نہ لاکھوں معبود کروڑوں دیوتا، نہ جوگ کا کرشمہ، نہ مسمریزم کا تماشا، نہ تھیا سوفیکل سوسائٹی کی سرپرستی اور نہ خلاف عقل وفطرت کوئی انوکھا مضمون ہے) ضرور ہے کہ یہی ایجوکیٹڈ حضرات محققانہ طور پر بالقطع پکے مسلمان بنیں گے اور اپنے بزرگان اسلام کے چال چلن کی تفتیش کے درپے اور اپنے عقلی مذہب (اسلام) کے انتصار میں سرگرم ہوں گے اس لئے میں بطور پیشین گوئی کہتا ہوں کہ آج نہیں تو اُس وقت اِس قسم کی کتابیں اُن کو بہت مدد دیں گی اور خدا جانے کتنی زبانوں میں ترجمہ ہو کر رہیں گی۔

دیکھو انگلستان اور یورپ کو جہاں تعلیم انتہا درجہ پر پہنچ گئی ہے کیا عیسائیت وہاں سے جاتی رہی؟ نہیں ہرگز نہیں بلکہ ایجوکیٹڈ حضرات اپنے مذہب میں زیادہ سرگرم ہو گئے ہندوستان میں بھی جو قومیں تعلیمی ریس کورس (گھوڑ دوڑ) میں بازی لے گئی ہیں اپنے مذہب اور اہل مذہب کے لئے سر توڑ کوششیں کر رہی ہیں پھر کیا ایک عاقلانہ مذہب دنیا کو کسی زمانہ میں بھی خیرباد کہہ سکتا ہے؟ ممکن نہیں۔

مجھ کو جب اِس سوانح عمری کے لکھنے کا خیال پیدا ہوا تو میں سوچنے لگا کہ کن کن حضرات سے اِس خصوص میں مدد مل سکتی ہے۔

جن جن صاحبوں کی طرف میرا ذہن منتقل ہوتا گیا اُن کو خط لکھ کر اپنے ارادے سے مطلع کیا اور مٹیریل (مواد) سے امداد چاہی۔

میری کافی مدد اس خصوص میں مولانا مولوی **ابو الطیب محمد شمس الحق صاحب** سلمہ اللہ تعالےٰ رئیس موضع ڈیانواں ضلع پٹنہ مؤلف غایۃ المقصود شرح سنن ابی داؤد نے کی کہ اپنا اُنتیس [۲۹] برس کا جمع کیا ہوا سرمایہ میرے پاس نہایت ہی خوشی سے بھیج دیا اور میری ہمت بڑھانے میں اس طرح کوشش بلیغ کی کہ ہندوستان کے مختلف حصص ملک میں خط لکھا اور بہتیرے اخباروں میں اشتہار دیا کہ "مولانا سید محمد نذیر حسین **علیہ الرحمۃ محدث دہلوی** کے سوانح زندگی لکھے جاتے ہیں جن حضرات کے پاس جو کچھ مواد اِس کے متعلق کتابتاً یا روایتاً موجود ہو بذریعہ تحریر کے میرے پاس

بھیج دیں"

نتیجہ اس کوشش کا یہ ہوا کہ مختلف حصص ملک سے دونوں قسم کے مواد (مکتوبہ و مرویہ) اُن کے پاس لگاتار پہنچتے رہے اور وہ میرے پاس وقتاً فوقتاً بھیجتے اور حوصلہ بڑھاتے رہے۔ ممدوح کو اس سوانح عمری کے ساتھ ایک خاص دلچسپی ہے اور اُن کی کوشش کی بدولت اِس وقت میرے پاس مٹیریل کا معتدبہ ذخیرہ موجود ہے

دوسرے بزرگ مولوی سید عزیز احمد المعروف بہ عبدالعزیز سلمہ اللہ تعالےٰ تحصیلدار متھرا ساکن موضع صمدن ضلع فرخ آباد ہیں جنہوں نے نہایت ہی گراں قدر مواد سے میری امداد کی اور اُن کو بھی اس کتاب کے ساتھ پورا انٹرسٹ ہے۔

تیسرے قابل قدر بزرگ جناب مولانا حافظ عبداللہ صاحب مدظلہ غازی پوری ہیں جو بعد نظم و ترتیب کتاب کے میری درخواست پر (باوجود اشغال کثیرہ رکھنے کے سب کاموں کو چھوڑ کر) تشریف لائے اور نوروز مظفر پور میں قیام فرما کر نماز صبح کے بعد سے نماز عشا (۹ بجے رات) تک کتاب کو بہ نظر غائر و عمیق مرۃً بعد اخریٰ من اولہ الیٰ آخرہ پڑھا اور دوبارہ دیکھتے وقت اصل کاغذات منقول عنہ سے عبارت کتاب کے ایک ایک لفظ کو مقابلہ کیا کہ کہیں نقل میں کوئی غلطی نہ رہ گئی ہو سچ تو یہ ہے کہ ایسا دیکھنا کون دیکھ سکتا ہے۔

چوتھے صاحب مولانا مولوی عبدالعزیز صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ رحیم آبادی ہیں جنہوں نے مفید مشورے سے برابر میری امداد کی۔

اور پانچویں اہل نظر برادر عزیز مولوی حکیم لطیف حسین صاحب سلمہ اللہ تعالےٰ عظیم آبادی ہیں۔ جنہوں نے تین چار مہینوں تک اس کتاب کو اپنے پاس رکھ کر اور بغور و فکر پڑھ کر حسب ضرورت یادداشتوں کے ساتھ بھیجا اور لکھا کہ "جہاں اختلاف رائے ہے اُس کو علٰحدہ لکھ کر ہر جز میں رکھ دیا ہے میں نے رائے لکھنے میں بھی آزادی سے کام لیا ہے اگرچہ ادب کا اقتضا یہ نہ تھا مگر الامر فوق الادب کسی حکیم ہی کا قول ہے۔

اس کی تو کوئی وجہ نہیں کہ موقع اختلاف میں میری رائے کو ترجیح ہو مگر یہ ضرور ہے کہ آپ کا حکم میں پورا بجا لایا ہوں میرے دل کو اس کی مسرت ہے آپ کی محنت

کی داد دیتا ہوں اس قدر مختلف واقعات کو منتظم کرنا کچھ آسان نہ تھا" حق تو یہ ہے کہ برادر موصوف نے جیسا اس فرض کو پورا کیا ہے اُس کی خوشی خود میرے دل کو ہے آفریں صد آفریں صد آفریں۔

ایک ضروری سوال

ہمارے ہیرو کو اپنے سوانح عمری کے لکھنے
یا لکھوانے کا خیال تھا یا نہیں ؟

جہاں تک مجھ کو معلوم ہے ہمارے ہیرو کو اِس کی نہ خواہش تھی نہ نفرت۔ کیوں کہ مولوی ابوالطیب محمد شمس الحق صاحب کے نام ایک خط میرے ہیرو کے دست خاص کا لکھا ہوا اِس وقت میرے سامنے موجود ہے۔

جس میں یہ لکھتے ہیں "آنچہ استفسار احوال من خستہ حال کردند کہ درتاریخ درج کنم مشفقا ایں امر بہ نسبت من نالائق خوب نیست چراکہ من نہ عالمم نہ فاضل نہ متقی ام کہ حالات من قابل بیان نزد اہل وجاہت وکرامت باشد لیکن حسب استدعاے شما کہ رنجیدہ نشوند کل حال خود نگاشتہ می فرستد بملاحظہ سامی خواہد گذشت ہرچہ خواہند بہ عمل آرند"

مولوی سید عزیز احمد موصوف جب بھوگنی پور میں تحصیلدار تھے تو وہاں قلعہ کے اندر خواجہ پھول کے مزار کے قریب والی مسجد کی دیوار جانب جنوب کی جھنجھریوں پر زمانہ سفر طالب علمی کی ایک یادداشت ہمارے ہیرو کے دست خاص کی لکھی ہوئی دیکھی۔ جس کی خبر ایک خط میں اُنہوں نے آپ کو دی، آپ نے اُس کے جواب میں لکھا کہ "میں بھی ایام طالب علمی میں کوڑا ہو کر تمہارے اسی علاقہ سے گذرا تھا تم نے لکھا ہے کہ موضع خواجہ پھول کے قلعہ کی مسجد میں کوئی یادداشت ورود فقیر کی بقلم فقیر تحریر ہے، بے شک ہوگی ذرا اس کو کسی وقت پڑھ کر نقل لے لینا جس سے ماہ وسن دریافت کر لینے سے تم کو انتباہ ہوگا"

اِن دونوں تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ سوانح عمری لکھوانے کی نہ آپ کو خواہش تھی اور نہ اُس سے نفرت تھی۔

خاکسار

فضل حسین

مظفرپور ترہت

صوبہ بہار

احاطہ بنگال

ابواب کتاب

اس کتاب میں سات باب اور دو ضمیمے ہیں

باب اوّل سنہ ولادت سے لے کر دہلی پہنچنے تک کا بیان یعنی سنہ ۱۲۲۰ ہجری مطابق سنہ ۱۸۰۵ء سے ۱۳ رجب سنہ ۱۲۴۳ھ مطابق ۳۱ جنوری سنہ ۱۸۲۸ء تئیس برس تک کے حالات۔

نام، لقب، وطن، سنہ ولادت، نسب، شجرہ، خاندان کا حال۔ پڑھنے کی جانب میلان کی وجہ، وطن سے روانگی، رستے کے واقعات، دہلی پہنچنا،

باب دوم۔ ۱۳ رجب سنہ ۱۲۴۳ ہجری مطابق ۳۱ جنوری سنہ ۱۸۲۸ء سے یکم شوال سنہ ۱۲۵۸ ہجری مطابق ۵ نومبر سنہ ۱۸۴۲ء پندرہ برسوں تک کے واقعات۔

تحصیل علوم، شادی، مولانا سید شریف حسین کی ولادت، مولانا شاہ محمد اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ کی ہجرت، سند، طالب علمی کے احباب اور ہم سبق طلبہ۔

باب سوم یکم محرم سنہ ۱۲۵۹ھ مطابق ۲ فروری سنہ ۱۸۴۳ء سے ذی الحجہ سنہ ۱۳۰۴ ہجری مطابق ستمبر سنہ ۱۸۸۷ء (چھیالیس برس) تک کے واقعات۔

مسند درس پر متمکن ہونا، تفسیر حدیث فقہ پر عبور، مطالعہ اور وسعت نظر، درس، وعظ، اراکین قلعہ سے تعلق، گورنمنٹ انگلشیہ کے ساتھ وفاداری، راولپنڈی کی نظر بندی، اہلیہ کی وفات، شمس العلما کا خطاب، سفر حج، مختلف اقطار عالم پر اقتدار، مولانا سید شریف حسین صاحب کی وفات،

باب چہارم مجددیت، تصوف اور بیعت کا بیان،

باب پنجم اخلاق و عادات، مہمانداری، بے غرضی، فتوے نویسی، دیانت داری، امانت داری، دوستی، آزادی، حق گوئی، بے تعصبی، ہمت، راست بازی، محنت و جفاکشی، اسلامی حمیت، عورتوں پر شفقت، بچوں پر شفقت، شرفاء دہلی کے ساتھ برتاؤ، خاندان کی محبت، وطن کی محبت، اساتذہ کا ادب، مناظرات تلامذہ پر افسوس، انتقام کا خیال نہ ہونا، چشم پوشی، ساز و سامان دنیا سے بے تعلقی۔ مخالفین کا اعتراف، دشمنوں کا اعتراف، خط اور

خطوں کا جواب لکھنا، طرز تحریر آداب والقاب، کام کرنے کی ہدایت۔ شکریہ کے خطوط، مناسب مذاق صلاح، حسن اخلاق کی تاکید، پند و نصائح، اخلاص۔ تشفی طلبہ وغیرہ وغیرہ مضامین کے خطوط، طلبہ کا خط لکھوانا، طلبہ کے ساتھ شفقت وہم دردی، درس میں مذاق، لڑکوں کا امتحان، علما کا امتحان، مستقل مزاجی، پیشین گوئی، زندہ دلی، خوش طبعی، شاعری کا مذاق، مختلف فنون کے ساتھ مناسبت، تبحر، وضع بود و باش،

باب ششم پابندی اوقات، شکل و شمائل، لباس، تن درستی، وفات اور تاریخ وفات۔ ۱۰ رجب روز دوشنبہ سنہ ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۳ اکتوبر سنہ ۱۹۰۴ء، اظہار افسوس، اخباروں میں وفات کی اشاعت، قطعات تاریخ۔

باب ہفتم اہل علم شعرا کے قصائد، معاصرین علما معتبرین اور شیوخ کی رائیں، اولاد و احفاد، برادران، فدائی۔

ضمیمجات

ضمیمہ اوّل تصنیف و تالیف، اسلام میں اختلاف، تقلید کی مختصر تاریخ، اہل حدیث اور اصحاب الرائے، ہندوستان میں حدیث کا رواج، کتاب معیار الحق پر ریویو،

ضمیمہ دوم مختصر فہرست تلامذہ،

الحیاۃ بعد المماۃ

معروف بہ سوانح عمری مولانا سید محمد نذیر حسین علیہ الرحمۃ محدث دہلوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اوّل

سنہ ولادت سے لے کر دہلی پہنچنے تک کا بیان۔ یعنی سنہ ۱۲۲۰ھ مطابق سنہ ۱۸۰۵ء سے ۱۳ رجب سنہ ۱۲۴۳ھ مطابق ۳۱ جنوری سنہ ۱۸۲۸ء (تیئیس برس) تک کے حالات نام، لقب، وطن، سنہ ولادت، نسب اور شجرہ، خاندان کا حال، پڑھنے کی جانب میلان کی وجہ، وطن سے روانگی، رستے کے واقعات، دہلی پہنچنا،

نام

ہمارے ہیرو کا **نام** ہے سید محمد نذیر حسین ذال منقوطہ سے۔

باپ ماں دونوں کی جانب سے سید نقوی

وہ سلسلہ پدری و مادری دونوں ہی جانب سے **نقوی** سید ہیں۔

لقب

لقب ہے **میاں صاحب**

لقب کی وجہ

اس کی وجہ یہ ہوئی کہ مولانا شاہ عبدالعزیز قدس اللہ سرہ العزیز محدث دہلوی کے خاندان کے سردار کو دلّی والے **میاں صاحب** کہتے تھے۔ چنانچہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کا لقب بھی **میاں صاحب** تھا اور جناب مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب علیہ الرحمۃ جب اپنے نانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے سند خلافت پر اُن کے بعد جلوہ افروز ہوئے تو لوگ اُن کو بھی **میاں صاحب** ہی کہتے تھے۔

مولانا شاہ محمد اسحٰق علیہ الرحمۃ جب ہجرت کر کے مکۂ معظمہ چلے گئے اور اُن کی جگہ اُن کے روحانی بیٹے مولانا سید محمد نذیر حسین علیہ الرحمۃ نے لی اور مسند درس و ارشاد پر متمکن ہوئے تو ان کو بھی لوگوں نے **میاں صاحب** ہی کے نام

سے پکارا۔ کیوں کہ جناب شاہ عبدالعزیز صاحب کی اولاد صلبی میں کوئی باقی نہیں رہا تھا۔

سنہ ۱۳۰۰ ہجری میں جب **میاں صاحب** حج کو گئے اور دوسرے ملکوں کے لوگوں نے **آپ** سے حدیث کی سند لی تو بعض منتھلی (ماہوار) رسالہ میں آپ کو **شیخ الکل فی الکل** کا خطاب دیا گیا مگر **فی الکل** کا لفظ چوں کہ زبان پر کسی قدر ثقیل معلوم ہوتا ہے اور عبارت بھی بڑھ جاتی ہے اس لئے **آپ** کے اکثر تلامذہ نے اپنی تحریروں میں **شیخ الکل** استعمال کیا۔

شیخ الکل

میری رائے میں لقب اور خطاب کی تین ہی معتبر صورتیں ہیں (۱) پبلک (عوام) کوئی لقب دے یا کسی لقب سے پکارنے لگے اور وہ لقب عالمگیر شہرت پکڑ لے مخالف اور موافق دونوں ہی کی زبان پر چڑھ جائے۔

لقب کے اقسام

(۲) وہ لقب خاندانی ہو جیسے **سید، شیخ، خان، مولوی، شاہ، میر، مرزا، چودھری** اور **بابو** وغیرہ وغیرہ

(۳) ذاتی یا خاندانی خطاب کسی بادشاہ ماسبق نے دیا ہو۔ یا کسی گورنمنٹ سے ملا ہو۔

میاں صاحب کے لقب میں یہ سب مفصلہ ذیل باتیں موجود ہیں پبلک نے دیا، پبلک نے پکارا، اس لقب نے عالمگیر شہرت بھی پائی اور مخالف و موافق دونوں ہی کی زبانوں پر بھی چڑھ گیا۔

اس کے علاوہ دوسری قسم میں بھی **میاں صاحب** کا لقب داخل ہے، کیوں کہ جس خاندان کے وہ روحانی فرزند اور جانشین تھے اُس کا لقب **میاں صاحب** ہی تھا اور سب سے زیادہ قابل لحاظ یہ بات ہے کہ ہمارے ہیرو کو خود بھی **میاں صاحب** ہی کا لقب پسند تھا چنانچہ جب **شمس العلما** کا خطاب گورنمنٹ انگلشیہ سے **آپ** کو ملا اور اس کا تذکرہ کوئی **آپ** کے سامنے کرتا تو فرماتے کہ "میاں خطاب سے کیا ہوتا ہے ہمارے لئے خطاب پورا قرآن مجید میں حنیف مسلم موجود ہے دنیاوی خطاب سلاطین سے ملا کرتا ہے یہ گویا اُن کی خوشنودی کا اظہار ہے مجھے تو کوئی نذیر کہے تو کیا اور **شمس العلما** کہے تو کیا میں نہایت خوش ہوں

میاں صاحب کو خود بھی میاں صاحب ہی کا لقب پسند تھا

کہ ہر ایک میاں صاحب مجھے کہتا ہے بھائی سادات کے لئے پیار الفظ اس سے بڑھ کر نہیں ہے اِس لفظ کی برکات سے میری درویشانہ طرز میں فرق نہ آئے بس خدا کا یہی فضل ہے۔

اُستاد، پیر، ماہر فن اور معمر آدمی کو شیخ بھی کہتے ہیں اور ہمارے ہیرو میں بھی یہ سب باتیں جمع ہو گئی تھیں۔

اِس لئے اب آیندہ سے ہم اِس کتاب میں یا تو میاں صاحب لکھیں گے یا شیخ۔

وطن

وطن

ہندوستان کا وہ مشہور، سرسبز، شاداب اور مردم خیز خطہ جس کو صوبہ بہار کہتے ہیں، اُس کا ایک ضلع ہے مُنگیر

صوبہ بہار ضلع مُنگیر

ضلع پٹنہ سے پورب، ضلع بھاگل پور سے پچھم، ترہت سے دکھن اور ہزاری باغ پارانچی سے اُتر جو گنگا کے جنوباً و شمالاً واقع ہے اور ایک خاص قسم کے بانس کی پیداوار میں مشہور ہے اُس کا ہڈکوارٹر ہے قصبہ مُنگیر جس نے اِس زمانہ میں بھی آبنوسی اشیا کی صنعت اور بندوق سازی میں بڑا نام حاصل کیا ہے۔

قصبہ مُنگیر

یہ قصبہ شہر عظیم آباد پٹنہ سے پورب تقریباً سو میل کے فاصلہ پر ہے، اِس کے جانب شمال گنگا بہتی ہے۔

اِسی ضلع مُنگیر میں ایک بڑا قصبہ تھا سورج گڈھ برلب گنگ جو اب ایک بستی رہ گئی ہے۔ اور اسی قصبہ کے نام پر پرگنہ کا بھی نام تھا اور ہے یعنی پرگنہ سورج گڈھ[۱] یہ قصبہ قصبہ مُنگیر سے تقریباً بیس میل پچھم اور بلدۂ عظیم آباد پٹنہ سے اسّی میل پورب ہے، سادات بنی فاطمہ کی سکونت مدت مدیدہ سے یہاں چلی آتی ہے یہی میاں صاحب کا وطن ہے۔

سورج گڈھ

آپ کے والد بزرگوار سید جواد علی مرحوم موضع بلتھوا میں تشریف رکھتے

میاں صاحب کے والد کا نام

---

[۱] آئین اکبری میں ابوالفضل نے بھی اس پرگنہ کو پرگنات سرکار مُنگیر ہی میں لکھا ہے اُس وقت اس پرگنہ کی آمدنی دو لاکھ ننانوے ہزار چار سو بینتالیس دام نقدی تھی ۱۲

تھے جو سورج گڈھ سے پانچ چھ میل جانب جنوب ہے۔

میاں صاحب کے اجداد سورج گڈھ وغیرہ مقامات میں کیونکر آئے اور خاندان کا مختصر حال

راجہ اندر دون والی اورین نے بجرم گاؤکشی چند مسلمانوں کو قتل کرا دیا سلطان قطب الدین ایبک عہ کو جب دہلی میں یہ خبر ملی تو بعد صلاح و مشورہ کے اس نے مولانا نور الدین عہ علیہ الرحمۃ کو سپہ سالار بنا کر ساٹھ ہزار افواج قاہرہ کی جمعیت کے ساتھ راجہ مذکور سے جہاد کے لئے اورین کی جانب روانہ کیا۔

راجہ اندر دون کا حال سلطان قطب الدین ایبک مولانا نور الدین سپہ سالار

سپہ سالار ممدوح نے اُولوالعزم مشائخان کرام اور سادات عظام میں سے ساٹھ افسر منتخب کر ایک ایک ہزار فوج پر ایک ایک جنرل مقرر کر کے اور سب کو ہمراہ لے کر ایک فاتح کمانڈر انچیف کی طرح دہلی سے روانہ ہوئے۔

انہیں جنرلوں میں میاں صاحب کے جد اعلیٰ مولانا سید احمد عہ شاہ جاجنیری عہ بھی تھے بعد فتح قلعجات مفصلہ ذیل۔

(۱) گڑھ اورین

(۲) لکھی سرائے

(۳) کھگڑا تال

جب راجہ اندر دون شکست فاش کھا کر فرار ہو گیا اور فیروز مندی عہ سے عساکر

سید احمد جاجنیری میاں صاحب کے جد اعلیٰ

گڑھ اورین

لکھی سرائے

کھگڑا تال

عہ دیکھو تاریخ صوبہ بہار عہد سلاطین اسلامیہ میں اس واقعہ کو جس کا ایک فارسی نسخہ سرکاری لائبریری میں مونگیر کے موجود ہے اور دوسرا قلمی فارسی نسخہ مولوی لیاقت حسین صاحب وکیل مونگیر کے پاس موضع اورین میں ہے ۱۲

عہ چھنگلیا (انگشت خنصر) ٹوٹی ہوئی تھی اس لئے ایبک کہتے تھے ۱۲ عہ آپ کی قبر لکھی سرائے میں موجود ہے ۱۲

عہ آپ کا مزار ہے موضع ندیانواں میں ۱۲ عہ جاجنیر ترہٹ یا بخارا میں ہے اور بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بغداد میں ایک محلہ تھا ۱۲ عہ مخدوم الملک شیخ شرف الدین علیہ الرحمۃ منیری بہاری کے بعض ملفوظات "خوان نعمت" "....." میں مذکور ہے کہ جس وقت یہ لشکر ظفر پیکر جہاد کے لئے اورین جاتا تھا اُس زمانہ میں حضرت مخدوم الملک راج گیر میں چلہ کش تھے اور وہی گذرگاہ فوج تھا۔ مجاہدین کا لشکر جب اُدھر سے گذرنے لگا تو آپ سرراہ آکر اپنا سینہ مبارک کھولے ہوئے برابر کھڑے رہے تاکہ مجاہدین کے گھوڑوں کی ٹاپ کی گرد سینہ پر پڑے اور آپ نے اُس گرد کو خوب اچھی طرح سے سینہ پر ملا راقم کے نزدیک تو یہ واقعہ بھی فتح مندی کا پیش خیمہ تھا ۱۲

اسلامیہ کے قدم چومے تو افسران فوج کو اختیار دیا گیا کہ اگر وہ چاہیں تو ممالک مفتوحہ میں اپنی مرضی کے مطابق سکونت اختیار کر سکتے ہیں سید احمد جاجنیری نے موضع ایکساری میں سکونت اختیار کی۔

آپ کے چار بیٹے تھے اور سب کثیر الاولاد۔ اُن میں سے ایک تو ایکساری میں رہے جن کی اولاد میں میاں صاحب تھے اور بقیہ تین صاحبوں نے قریب ہی قریب مختلف مقامات اور بستیوں میں توطّن اختیار کیا۔ کوئی تو گنگا پار چلا گیا کوئی اورین میں رہا اور کسی کی اولاد نے بارہ گیان میں اقامت اختیار کی جس میں داخل ہیں مفصلہ ذیل بارہ بستیاں لہ۔

(۱) ایکساری	(۲) مُنیَنڈا	(۳) مانے	(۴) چوارہ
(۵) حسین آباد	(۶) کٹنی کول	(۷) جھوارڑہ	(۸) پتھرہٹہ سہ
(۹) کونڈا	(۱۰) ننجے پور	(۱۱) بروئی	(۱۲) جنڈھاری (جڑھیاری)

سید جان محمد غازی جو اورین میں رہتے تھے اُن کی اولاد میں سے کوئی تو بلتھوا میں جا بسا، کوئی امہرہ میں، کوئی علی نگر میں، کوئی مولا نگر میں اور کوئی سورج گڈھ میں میاں صاحب کے والد ماجد سید جواد علی کئی پشتوں سے موضع بلتھوا عہ میں رہتے تھے اور ان کے تین حقیقی بھائی بھی تھے ایک کا نام تھا سید چند دوسرے کا نام سید عیدو اور تیسرے کا نام سید کلب علی مگر لکھنے پڑھنے میں قابل میاں صاحب کے والد ہی تھے اور فارسی دانی میں ممتاز بین الاقران۔

میاں صاحب کے چچاؤں کا ذکر

لہ یہی وجہ تسمیہ ہے بارہ گیان کی ۱۲ سہ میاں صاحب کی بڑی بہن کی شادی اسی موضع میں ہوئی تھی، میاں صاحب صرف انہیں سے چھوٹے تھے اور سب بھائی بہنوں میں سب سے بڑے ۱۲

للعہ سید احمد جاجنیری کی اولاد نے بیشتر یہیں سکونت اختیار کی اور وہ سیدوں کی بستی خیال کی جاتی تھی یہ علی نگر اور اورین کے درمیان واقع ہے، مگر افسوس کہ اب ایک سید کا گھر بھی وہاں نہیں ہے بلکہ صرف جلاہوں کے چند گھر ہیں میاں صاحب کے والد کا انتقال بھی اسی موضع میں ہوا اس وقت تک میاں صاحب دلی سے وطن کی طرف کبھی واپس آئے ہی نہ تھے آپ کے دونوں چھوٹے بھائی مولوی سید سجاد حسین اور مولوی سید توسل حسین بعد وفات اپنے والد ماجد کے سورج گڈھ چلے آئے، میاں صاحب نے اپنے والد کی موت کی خبر جب دہلی میں پائی تو فوراً وہاں سے معاودت کی اور وطن پہنچے بلتھوا میں کوئی رہتا ہی نہ تھا اس سبب سے سورج گڈھ ہی میں ٹھیرے مگر اپنے والد کے مزار کی زیارت اور دعا مغفرت کے لئے بلتھوا گئے، اس کے بعد اکثر تشریف لائے اور جب آئے تو سورج گڈھ میں ٹھیرے ۱۲

سنہ ولادت

سنہ ولادت کی تحقیق اور تطبیق

ولادت کی تاریخ اور مہینہ تو کسی طرح معلوم ہی نہ ہو سکا، مگر سنہ معلوم ہوا وہ بھی اختلاف روایت کے ساتھ۔

علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ کے ایڈیٹر نے لکھا ہے کہ آپ نے ایک سو دس برس کی عمر میں انتقال کیا۔

اس حساب سے سنہ ولادت ہوتا ہے بارہ سو گیارہ ہجری۔ ایک دوسری روایت سے ثابت ہوتا ہے سنہ ۱۲۱۲ ہجری۔

ایک تیسری تحریر سے معلوم ہوتا ہے سنہ ۱۲۰۹ فصلی مطابق سنہ ۱۲۱۶ ہجری مگر میرے پاس کافی وجوہ[ف] اس کے موجود ہیں کہ میاں صاحب کا صحیح سنہ ولادت سنہ ۱۲۱۲ فصلی مطابق سنہ ۱۲۲۰ ہجری موافق سنہ ۱۸۰۵ عیسوی ہے۔

نسب

نسب

آپ دادھیال اور ننھیال دونوں ہی جانب سے نقوی حسینی ہیں کیونکہ دونوں نسب نامے سید احمد جاجنیری سے ملتے ہیں میاں صاحب چونتیسویں پشت میں جناب امیر علیہ السلام کے ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پینتیسویں، حسن اتفاق یہ ہے کہ حضرت امام حسن رضہ اور امام مہدی آخر الزماں علیہما السلام کے سوا اس سلسلۂ نسب میں دس امام موجود ہیں۔

ف منجملہ ان وجوہ کے ایک وجہ یہ ہے کہ آپ نے سفر شروع کیا سترہ برس کی عمر میں یعنی سنہ ۱۲۳۷ ہجری میں جیسا کہ خود ایک تحریر میں لکھتے ہیں "سنت مرقدا سے را کہ بتوفیق ایں عاجز بے نوا ۔ عمر شانزدہ سالگی یا ہفتدہ سالگی کہ ازیں کم و بیش نبود بہ قصد تحصیل علوم بہ اراے سفر بود" اور سید احمد صاحب اور مولانا شہید سے پہلی ملاقات اسی سنہ ۱۲۳۷ھ میں ہوئی پٹنہ میں جس کا مفصل بیان آئندہ آئے گا اور آپ موضع خواجہ پھول میں پہنچے ۵ رجب سنہ ۱۲۳۷ھ میں جہاں تاریخ ورود آپ کے دست خاص کی لکھی ہوئی ابھی تک موجود ہے سنہ ۱۲۳۷ میں سے سترہ برس نکال دیے جائیں تو بلا اختلاف روایت سنہ ۱۲۲۰ بچتے ہیں ۱۲ منہ

شجرہ

شجرہ

۱ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۲ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء — امیر المومنین علی بن ابی طالب زوج بتول

۳ امام حسین علیہ السلام

۴ امام زین العابدین

۵ امام محمد باقر

۶ امام جعفر صادق

۷ امام موسیٰ کاظم

۸ امام موسیٰ رضا

۹ امام محمد تقی

۱۰ امام محمد نقی

۱۱ امام حسن عسکری

۱۲ سید ابو الفرح

۱۳ سید فضیل

۱۴ سید افضل

۱۵ سید داؤد

۱۶ سید محمود

۱۷ سید محمد

۱۸ سید احمد جاجنیری

	ددھیال	ننھیال	
۱۹	سید جمال الدین	سید حیدر باکھ	۱۹
۲۰	سید رکن الدین	سید حاتم	۲۰
۲۱	سید زیرک	سید محمود	۲۱
۲۲	سید بزرگ	سید محمد	۲۲

۲۳	سید یونس الحاج	سید خداوند	۲۳
۲۴	سید بدھن	سید منجھن	۲۴
۲۵	سید معروف	سید الہ داد	۲۵
۲۶	سید چاند	سید جان	۲۶
۲۷	سید ہاشم	سید سفونی	۲۷
۲۸	سید قطب الدین	سید بایزید	۲۸
۲۹	سید محبوب	سید نعیمو	۲۹
۳۰	سید ماہرو	سید زین الدین	۳۰
۳۱	سید محمد	سید غلام محی الدین	۳۱
۳۲	سید اللہ بخش	سید سیف الدین	۳۲
۳۳	سید عظمت اللہ	سید کلیم اللہ	۳۳
۳۴	سید جواد علی	بی بی شاکرہ	۳۴
		بی بی فصیحن	۳۵

سید محمد نذیر حسین

خاندان کا حال

میاں صاحب کا خاندان علم وفضل دولت اور وجاہت میں پہلے سے ممتاز تھا۔

آپ سے کئی پشت اُوپر کا حال جہاں تک معلوم ہوا ہے اُس سے اچھی طرح پتہ چلتا ہے کہ وہ لوگ تاریخی آدمی تھے اور اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ کے عہد سے خدمت قضا پر مامور تھے جو ایک روشن دلیل ہے علم کے ساتھ عالی خاندانی کی۔

عہدہ قضاء

یوں تو دادیال اور ننھیال دونوں کے نسب نامے سید احمد جاجنیری سے ایک ہوجاتے ہیں، اور وہ تھے کون؟ اوپر اس کا بیان گذر ہی چکا کہ ایک ہزار سپاہ کے کمانڈر اور جنرل تھے۔

اس کے بعد یہ قیاس نہایت ہی صحیح ہے کہ اُن کے بعد پشتوں تک اُن کی اولاد بحیثیت ایک فاتح جنرل کی اولاد ہونے کی نہایت ہی معزز اور محترم

سمجھی جاتی ہوگی۔

مگر عہدۂ قضا کا سلسلہ شروع ہوتا ہے غالباً سید بایزید سے جو آپ کے اجداد مادری میں ہیں اور جن کے اور آپ کے درمیان سات واسطے اور ہیں۔ عالمگیر کے وقت سے اس وقت تک اُسی خاندان میں کابراً عن کابر یہ عہدہ چلا آتا ہے انہیں قضاۃ میں ہیں قاضی سید وجیہہ الدین، قاضی سید جمال، قاضی سید عبدالنبی، قاضی مولوی سید عنایت اللہ مدرس مدرسہ شاہی دہلی، مولوی محمد اعظم، قاضی مولوی محمد سالم، قاضی سید امام علی اور قاضی سید محمد اکبر غازی جن کے نواسے ہیں قاضی سید حفیظ الرحیم جو آج کل رولر سب رجسٹرار ہیں محمداً پرگنہ سورج گڈھ میں۔

عہدۂ قضا کی دو سندیں ایک اورنگ زیب عالمگیر اور دوسری شاہ عالم بادشاہ کی درج ذیل ہیں۔

نقل فرمان عہدۂ قضا عطیہ ابوالمظفر محمد محی الدین عالمگیر بادشاہ غازی مسجل بہ طغرا و مہر

عہ ان کو بادشاہ دہلی کی طرف سے پرگنہ سورج گڈھ میں بائیس موضع جاگیر میں ملے تھے جس کے ایک آنے کی آمدنی آغاز تیرھویں صدی ہجری میں پانسو روپیہ سالانہ تھی باوجودیکہ اُس وقت لگان بہ نسبت اِس زمانہ کے بہت ہی کم تھی۔

عہ گورنمنٹ انگلشیہ کے زمانہ میں جن کا لقب قاضی اور قاضی القضاۃ تھا اُن کے متعلق کام سپرد ہوا یعنی رولر سب رجسٹرار اور اسپیشل سب رجسٹرار یا رجسٹرار کا اسی لئے غدر ۱۸۵۷ء سے چند برسوں بعد قاضی وغیرہ کی جگہ رولر سب رجسٹرار وغیرہ ہی کا لقب قائم کیا گیا۔ مگر سلاطین اسلامیہ کے زمانہ میں قاضی کا عہدہ مماثل تھا ڈسٹرکٹ اور سیشن جج کے عہدہ کے ۱۲

دریں وقت فرمان والاشان صادر شد کہ خدمت قضا یا پرگنہ سورج گڈہ و گجرد
تابع سرکار مونگیر متعلق صوبہ بہار از انتقال عبد النبی بہ سید عنایت اللہ پسرش
و موازی چہل بیگہ زمین اُفتادہ لائق زراعت خارج جمع از پرگنہ سنگھول تابع
سرکار مذکور بشرط خدمت و عدم اخذ مہرانہ و نکاحانہ در وجہ مدد معاش او حسب العنمن

مقرر باشد کہ بلوازم و مراسم آں کما ینبغی پردازد و در نشر شرعیات و قطع و فصل قضایا
و معاملات و رفع و دفع دعاوی و خصومات و عقود انکحہ بلاولی و قسمت ترکات و
کتابت صکوک و سجلات و تحریص و ترغیب مردم بہ طاعات و عبادات و اجرائے حدود
و تعزیرات و اقامت جمعہ و جماعات و تحقیق اموال غیب و ایتام و تعین اوصیا و نصب
قوام مقرر نمودن نائب متدین طالب العلم مساعی موفورہ بتقدیم رساند باید کہ حکام
و عمال و جاگیرداران و کروریان حال و استقبال اورا قاضی آں محالات دانند و زمین
مذبور را پیمودہ و چک بستہ بہ تصرف او بازگذارند و اصلاً و مطلقاً تغیر و تبدیل بداں
راہ ندہند۔ و بعلت مال و جہات و اخراجات مثل قلعہ و پیشکش و جریانہ و ضابطانہ
و محصلانہ و مہرانہ و داروغگانہ و بیگار و شکار و مقدمے و قانون گوئی و ضبط ہر سالہ
بعد از تشخیص چک و تکسیر زراعت و کل تکالیف دیوانی و مطالبات سلطانی مزاحم
نشود و دریں باب ہر سال سند مجدد نہ طلبند و اگر در محلے دیگر چیزے داشتہ باشند
آں را اعتبار نہ کنند طریق جمہور سکنہ و متوطنین پرگنات مسطور آنکہ خطوط و قبالات
و صکوک و سجلات را بخط و مہر او معتبر شمرند غرہ شعبان بسال سی و یکم جلوس والا قلمی شد

واضح ہو کہ یہ عبارت اس سند کی پشت پر بعینہ مرقوم تھی اور مزین بہ مہر مگر
بسبب اس کے کہ مہر نہیں پڑھی جاسکی اس لئے اس کی نقل نہیں کی گئی

شرح یادداشت واقعہ تاریخ روز چہارشنبہ بست و ہشتم شہر جمادی الآخر ۳۱
جلوس والا موافق سنہ ۱۰۹۹ ہجری مطابق ہشتم اردی بہشت مارسالہ صدارت و مشیخت
پناہ فضیلت و کمالات دستگاہ سزاوار مرحمت و احسان صدر منیع القدر فاضل خان
و نوبت واقعہ نگاری کمترین بندہ درگاہ خلائق آرامگاہ محمد ساقی قسلی می گردد
سید عنایت اللہ ولد سید عبدالنبی از نظر اقدس اعلیٰ گذشت و بعرض مقدس معلی
رسید کہ پروانگی بہ مہر و دستخط مشیخت و فضیلت پناہ فضائل خاں رسیدہ کہ بموجب
التماس محمد شفیع وغیرہ سکنہ پرگنہ سورج گڈھ و پرگنہ بجرہ سرکار مونگیر صوبہ بہار بعرض والا
رسید کہ از مدتے عبدالنبی قاضی پرگنات مسطور فوت شدہ و بدون قاضی معاملات
شرعیہ فیصل نمی یابد حکم والا اشرف نفاذ یافت کہ بندہ بر تقدیر وقوع قاضی دیگر بعرض
مقدس رسانیدہ مقرر نماید حقیقت بدیں منوال ست کہ در پرگنہ سورج گڈھ و پرگنہ بجرہ

سرکار مونگیر مذکور قاضی از حضور پرنور تعیین نشدہ و محضر بمہر مردم رسیدہ کہ سید عبد النبی قاضی سوروئی پرگنات مسطورہ رو بتعین حیات سپرد و سید عنایت اللہ پسر متوفی بحضور پرنور رسیدہ طالب علم ست ہرچہ فرمان شود حکم جہاں متاع عالم مطیع صادر شد کہ خدمت قضا پرگنات مرقومہ مع سواد قصبات و قریات متعلقہ آں از انتقال سید عبد النبی متوفی مشار الیہ و موازی چہل بیگہ زمین افتادہ لائق زراعت خارج جمع از پرگنہ سنگھول سرکار مونگیر مذکور مادامیکہ قاضی باشد بشرط عدم اخذ مہرانہ و نکاحانہ در وجہ مدد معاش او مرحمت فرمودیم و نیز حکم شد در جائیکہ خود نرسد نائب متدین طالب علم تعیین می کردہ باشد و اگر در محال دیگر چیزے داشتہ باشد آں را اعتبار نکنند واقعہ ۸ جمادی الآخرہ سنہ ۱۳ بموجب تصدیق یادداشت قلمی شد شرح خط معتمن الدولہ العلیہ معتمد السلطنت السنیہ عمدہ وزراے رفیع الشان زبدہ خوانین بلند مکان ناظم مناظم ملک و مال ناہج مناہج دولت و اقبال شائستہ انواع عنایت سزاوار اوصاف مرحمت خان شجاعت نشان جملۃ الملک مدار المہام اسد خان آنکہ داخل واقعہ نماید۔ شرح خط صدارت و مشیخت و فضیلت و کمالات دستگاہ سزاوار مرحمت و احسان صدر رفیع القدر فاضل خان آنکہ داخل واقعہ نمائید شرح خط واقعہ نویس آنکہ مطابق واقعہ است شرح خط عمدہ وزراے رفیع الشان زبدہ خوانین بلند مکان جملۃ الملک مدار المہام آنکہ بعرض مکرر رساند شرح خط سیادت و فضیلت پناہ قابل احسان سعادت خان آنکہ دوازدہم شہر رجب سنہ ۱۳ جلوس والا مکرر بعرض مقدس رسید شرح خط خان شجاعت نشان جملۃ الملک مدار المہام آنکہ فرمان عالی شان قلمی نمائید۔

نقل فرمان عہدۂ قضا عطیہ شاہ عالم بادشاہ غازی

فرمان عہدہ قضا عطیہ شاہ عالم بادشاہ غازی

شاہ عالم ۱۱۷۵
بادشاہ غازی
فدوی
منجم خان صدر

گماشتہاے جاگیرداران و کروریان حال و استقبال پرگنہ سورج گڈھ سرکار

فرخ آباد و صوبہ بہار آنکہ چون بموجب پروانہ حسب الحکم الاعلیٰ بمہر امارت و سیادت مرتبت صدر الصدور عبد اللہ خان بہادر مرخان مرقوم دواز دہم شہر صفر سنہ جلوس بمنصب قضائے پرگنہ مسطور مع سواد و قصبہ و قریات متعلقہ از تغیر سید مصاحب علی بسید محمد سالم ولد سید وجہ الدین مقرر ست چنانچہ اسنا و اکبر علی خاں وغیرہ صدور سابق بدست دارد و دریں ولا از تصدیق معتبر معلوم شد کہ مشار الیہ حی و قائم بنا بر آں بہ تصحیح رسانید کہ کما ینبغی بلوازم آن قیام نمودہ در فصل قضایا و خصومات و اجرائے حدود و تعزیرات و اقامت جمعہ و جماعات و ترغیب مردم بہ طاعات و انکاح من لا ولی لہ و قسمت ترکات و حفظ اموال غیب و ایتام و تعین اوصیا و نصب قوام ساعی موفور بہ تقدیم رساند باید کہ مشار الیہ را قاضی پرگنہ مسطور مستقل دانستہ دست تصدی او را در امور متعلقہ آن خدمت مستقل دانند و دیگرے را سہیم و شریک او نگر دانند و صکوک سجلات را بمہر او معتبر شمارند دریں باب قدغن لازم دانستہ تخلف نورزند تحریر بتاریخ شانز دہم ربیع الاول سنہ مطابق سنہ ۱۱۵۵ھ

طفولیت

طفولیت

بچپن کے زمانہ کا کوئی واقعہ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر معلوم نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ کھیلنے کا شوق حد سے زیادہ تھا۔ تیرنے دوڑنے گھوڑا چڑھنے میں مشاق تھے اور پڑھنے لکھنے کی طرف سے سخت بدشوق عجب نہیں کہ عنفوان شباب تک اسی آزادی کے کھیل اور جمناسٹک کی مشق نے میاں صاحب کی صحت پر اچھا اثر کیا ہو جس سے قوی شگفتہ ہو گئے۔

کیوں کہ آخر آخر تک وہ نہایت ہی جفاکش، صابر، محنتی اور زندہ دل رہے۔

پڑھنے کی جانب کیوں کر میلان ہوا؟

پڑھنے کی جانب میلان

اور ابتدائی تعلیم

میاں صاحب کے والد ماجد کے پاس اکثر ایک برہمن آتا جاتا تھا ایک

روز اُس نے میاں صاحب سے کہا کہ "میاں تم اِتنے بڑے ہوگئے اور کچھ پڑھا نہیں دیکھو تمہارے خاندان میں سب لوگ مولوی ہیں اور تم جاہل ہو"
آپ کی سیدھی سادھی طبیعت پر یہ جملہ نشتر یا جادو کا کام کر گیا جس سے طبیعت پڑھنے کی طرف دفعتًا مائل ہوگئی۔
آپ کے والد ماجد کو فارسی میں اچھی دستگاہ تھی اس لئے فارسی اُنہوں نے پڑھائی اور جب فارسی کی درسی کتابیں نکل گئیں تو عربی کی ابتدائی کتاب بھی شروع کرادی۔

وطن چھوڑ کر باہر جانے کی کیا وجہ ہوئی اور کس عمر میں وطن چھوڑا

وطن چھوڑ کر باہر جانے کی وجہ

اِس وقت ہمارا ہیرو اپنی عمر کی سولھویں سالانہ منزل طے کرکے سترھویں میں قدم رکھ رہا ہے اور پڑھنے کے شوق میں طبیعت بے چین ہورہی ہے چاہتا ہے کہ علم کو کس طرح گھول کر پی جائے، دنیا کے تعلقات سے بالکل آزاد ہے، مختلف طرح کے منصوبے ذہن میں آرہے ہیں جس سے کبھی تو اُس کی ہمت بڑھتی ہے کبھی پست ہو جاتی ہے، کبھی سفر کا ارادہ کرتا ہے مگر تہیدستی اور ناداری مایوسی کی تصویر بن کر سامنے کھڑی ہو جاتی ہے پھر دل کو مضبوط کرتا اور ہمت باندھ کر دل ہی دل میں پڑھتا ہے ؎

کیا پڑا ہے دیر کے ٹکڑوں پہ میر		اُٹھ کے کعبہ چل خدا رزّاق ہے

اب اُس کی حالت ایسی ہورہی ہے کہ یقدم رجلا ویوخر اُخرے سخت حیص بیص میں ہے نہ تو اپنے راز کو ظاہر کرسکتا ہے نہ چپ رہ سکتا ہے ؎

مرا درد یست اندر دل اگر گویم زباں سوزد		وگر دم درکشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

اسی خلجان میں وہ اپنے ایک ہم عمر طالب العلم مولوی بشیر الدین عرف مولوی امداد علی سے مشورہ کرنا چاہتا ہے باتوں ہی بات میں ملاتا ہے اور امتحان کرنا چاہتا ہے کہ اس میں راز داری کا مادہ ہے یا نہیں، دو چار دن جب اس پر

گذرتے ہیں تو امید بندھتی ہے کہ یہ رازداری کرے گا اب اُس کو تخلیہ میں لے جا کر کہتا ہے کہ یار ہم تم سے ایک بات کہنا چاہتے ہیں بشرطیکہ اُس کو ظاہر نہ کرو اور میرا ساتھ دو وہ اس کو منظور کرتا ہے اور مدد کرنے کا وعدہ کرتا ہے اب اس پیمان کو وہ قسم سے موثق کراتا ہے اور کہتا ہے کہ بھائی میرا دل پڑھنے کے لئے بے چین ہو رہا ہے ہم یہاں سے بھاگنا چاہتے ہیں، ایک منٹ بھی اب میرا دل یہاں نہیں لگتا گھر کاٹے کھاتا ہے۔

طبیعت میں اُلجھن اور جی میں سخت وحشت ہو رہی ہے، اس بارہ میں تمہاری کیا رائے ہے؟ وہ ان باتوں کو سننے کے ساتھ ہاتھ بڑھاتا ہے اور کہتا ہے کہ یار یہ تو میرے دل ہی کی بات کہی میں بھی اسی فکر میں پریشان ہو رہا ہوں، چاہتا تھا کہ تم سے مشورہ کروں مگر پھر ہمت نہ ہوئی دل میں خیال آیا کہ کہیں بات کھل گئی تو بہت پٹیں گے، لو خدا حافظ اب دیر کیا ہے، کھانا کھا کر جب سب سو جائیں گے میں اپنی گٹھری بغل تلے دابے نکل کھڑا ہوں گا، تم بھی چلے آنا مگر دیکھنا کتاب کی گٹھری نہ چھوڑنا اور یار جو پہلے گھر سے نکلے وہ گاؤں کے پچھم پیپل والے پیڑ کے نیچے انتظار کرے دونوں جب وہاں پہنچ جائیں تب ساتھ چلیں، خوش قسمتی سے رات بھی اندھیری ہے کسی کو پتہ بھی نہ لگے گا اور رستہ ادھر کا دیکھا ہوا ہے صبح ہوتے ہوتے پانچ چھ کوس نکل جائیں گے پھر پکڑتا کون ہے اور پتہ کس کو لگتا ہے۔ قصہ مختصر حسب قرار داد مذکورہ دونوں اُسی رات گھر سے چل نکلتے ہیں۔

وطن سے روانگی

صوبۂ بہار کا مدینۃ العلم اُس وقت سمجھا جاتا تھا عظیم آباد پٹنہ اور طلبہ کی بھاگ دوڑ وہیں تک محدود تھی، دونوں آدمی سنہ ۱۲۳۶ھ مطابق سنہ ۱۸۲۱ء میں موضع بلتھوا سے بھاگ کر پٹنہ صادق پور پہنچے اور محلہ ننمو ہیان میں شاہ محمد حسین صاحب مرحوم کے مکان پر ٹھہرے یہاں اکثر طلبہ کی جاگیریں بھی تھیں اور نو وارد طلبہ کے لئے جاگیروں کا بندوبست بھی فوراً کر دیا جاتا تھا اور درس بھی دیا جاتا تھا۔

عظیم آباد پٹنہ پہنچنا

شاہ محمد حسین مرحوم کے مکان میں ٹھہرنا

میاں صاحب تقریباً چھ مہینے یہاں ٹھہرے اور غالباً ترجمہ قرآن اور مشکوٰۃ پڑھا۔

مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کا وعظ بانکی پور میں سننا اور دہلی جانے کا خیال پیدا ہونا

مولانا اسمٰعیل شہید اور سید احمد بریلوی کا پٹنہ پہنچنا

سید احمد علیہ الرحمہ بریلوی اور مولانا اسمٰعیل شہید رح وغیرہ تین سو سے زیادہ آدمیوں کے قافلے کے ساتھ یکم شوال ۱۲۳۶ھ کو بعد نماز عید الفطر سفر حج کے ارادے سے بریلی سے روانہ ہوئے وہاں سے دلمئو، الہ آباد، مرزا پور، ہوتے ہوئے اور ہر جگہ کئی کئی ہفتے قیام کرتے بنارس پہنچے۔ عید الضحیٰ کی نماز بنارس میں پڑھی اور ایک مہینہ بنارس میں ٹھیرے۔

محرم ۱۲۳۷ھ میں بنارس سے روانہ ہوئے غازی پور، زمانیہ، دانا پور وغیرہ ہوتے ہوئے اور ان شہروں میں ہر جگہ کہیں ہفتہ کہیں دس روز اور کہیں دو ہفتہ قیام کرتے ہوئے کئی مہینوں کے بعد عظیم آباد پٹنہ پہنچے اور پندرہ روز یہاں بھی ٹھیرے یہی زمانہ تھا میاں صاحبؒ کے پٹنہ آنے کا، سید صاحب کا قافلہ گول گھر کے سامنے ٹھیرا تھا اور لین کے میدان میں جمعہ کی نماز ہوئی تھی اور مولانا شہیدؒ نے وعظ فرمایا تھا۔

مولانا شہید رح کا وعظ

میاں صاحب فرماتے تھے کہ "ہم اُس وعظ و نماز میں شریک تھے سارا میدان لین کا آدمیوں سے بھرا ہوا تھا، پہلی ملاقات سید صاحب اور مولانا شہیدؒ سے یہیں پٹنہ میں ہوئی۔"

معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب اور مولانا شہیدؒ کی پانزدہ روزہ صحبت اور وعظ کی برکت سے میاں صاحب کو دہلی جانے کا خیال پیدا ہوا۔

کیوں کہ اُس وقت دہلی میں جناب مولانا شاہ عبد العزیز صاحب قدس اللہ سرہ العزیز (مولانا شہیدؒ کے خاندان کے افسر اعلیٰ، سید احمد صاحب کے پیر اور نہ صرف ہندوستان بلکہ ممالک اسلامی کے زبردست امام) بھی زندہ اور موجود تھے

عہ تخمیناً معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت سید صاحب سفر حج کے لئے بریلی سے روانہ ہوئے اتفاقاً اُسی زمانہ میں میاں صاحب بھی سورج گڈھ سے چلے ۱۲

سید صاحب اپنے قافلے سمیت بعد دو ہفتہ کے پٹنہ سے بسواری کشتی سورج گڈھ مونگیر، بھاگل پور اور مرشد آباد ہوتے ہوئے کلکتہ روانہ ہوگئے اور میاں صاحب غالباً اُسی کے تھوڑے ہی دنوں بعد بہ قصد دہلی عظیم آباد سے پچھم روانہ ہوئے۔

دہلی کی روانگی

سید احمد صاحب اور میاں صاحب سے سورج گڈھ میں ملاقات کا نہ ہونا

سید احمد صاحب اور میاں صاحب سے سورج گڈھ میں ملاقات کا نہ ہونا

سید صاحب کی دعوت حج کو جاتے وقت بھی سادات سورج گڈھ نے کی تھی اور پندرہ روز وہاں قافلہ ٹھیرا تھا اور حج سے لوٹتے وقت بھی سورج گڈھ میں ٹھیرے تھے، اسی بنا پر بعض لوگوں نے یہ قیاس کیا ہے کہ مولانا شہید اور سید صاحب سے میاں صاحب کی ملاقات سورج گڈھ میں ہوئی ہوگی۔ مگر تاریخی شہادت اس قیاس کی مخالف ہے کیوں کہ ۱۲۳۶ھ کی پہلی ہی سہ ماہی میں سید صاحب پٹنہ پہنچے اور میاں صاحب شریک نماز و وعظ رہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ میاں صاحب سورج گڈھ چھوڑ چکے تھے اور اُس وقت پٹنہ میں تھے۔

اور یہ گمان تو کسی طرح ہو ہی نہیں سکتا کہ پہلی ملاقات میاں صاحب کی سید صاحب سے سورج گڈھ میں ہوئی ہو جب وہ حج کو جارہے تھے اور دوسری ملاقات پٹنہ میں ہوئی ہو جب سید صاحب حج سے واپس آرہے تھے کیوں کہ ۵ رجب ۱۲۳۸ھ مطابق ۱۹ مارچ ۱۸۲۳ء بدھ کے دن میاں صاحب اثناء سفر دہلی میں تحصیل بھوگنی پور موضع خواجہ پھول کی مسجد میں فرود ہوئے تھے جہاں اُن کے ورود کی تاریخ اُن کے ہاتھ کی لکھی ہوئی اس وقت تک موجود ہے، اور سید صاحب نے سفر حج شروع کیا یکم شوال ۱۲۳۶ھ مطابق ۲- جولائی ۱۸۲۱ء روز دوشنبہ کو اور بریلی واپس پہنچے ۲۹ شعبان ۱۲۳۹ھ مطابق ۳۰- اپریل ۱۸۲۴ء روز جمعہ کو دو برس گیارہ مہینوں کے بعد۔

اب یہ بات صاف ہوگئی کہ سید صاحب کے سورج گڈھ پہنچنے کے دونوں ہی وقتوں میں میاں صاحب وہاں موجود نہ تھے۔ جاتے وقت تو پٹنہ میں تھے

جہاں وعظ سنا اور دہلی جانے کا خیال پیدا ہوا اور حج سے لوٹتے وقت میاں صاحب اثنار راہ دہلی میں تھے۔

پٹنہ سے دہلی روانہ ہونا، رستہ میں مختلف مقامات میں ٹھیرنا، راہ کے دل چسپ واقعات دہلی پہنچنا، چند روز تک ایک ہم وطن کے ساتھ رہنا اور پھر پنجابی کٹرے کی مسجد اورنگ آبادی میں مستقل قیام

۱۲۴۳ھ میں میاں صاحب پٹنہ سے دہلی کی جانب اپنے ہم سفر رفیق مولوی امداد علی[ع] سورج گڈھی کے ساتھ روانہ ہوئے۔

غازی پور پہنچنا

غازی پور پہنچ کر چندے قیام کیا اور کچھ ابتدائی کتابیں مولوی احمد علی صاحب مرحوم چریا کوٹی سے پڑھیں جو اپنے زمانہ کے مشاہیر علما سے تھے وہاں سے بنارس پہنچے اور وہاں بھی قیام کیا بنارس میں ایک کتاب نور و ٹپے میں بیچ کر ایک چھوٹا ٹٹو خرید کیا اور وہاں سے الہ آباد روانہ ہوئے۔

بنارس پہنچنا

الہ آباد پہنچ کر قیام کرنا اور پڑھنا

الہ آباد میں پہنچ کر اُس مسجد میں جو جمنا کے کنارے واقع تھی چندے قیام کیا اور پھر شاہ اجمل کے دائرہ میں فروکش ہوئے۔

ابتدائی کتابیں صرف و نحو کی مثل مراح الارواح، زنجانی، نقود الصرف، جزولی، شرح مأۃ عامل، مصباح، ضریری اور ہدایۃ النحو وغیرہ علماء الہ آباد

[ع] یہ حضرت راہ میں کہاں سے جدا ہوئے اور کب دہلی پہنچے اس کا پتہ نہیں چلتا مگر دہلی میں میاں صاحب سے غالباً پہلے پہنچے اور میاں صاحب دہلی پہنچ کر کچھ دنوں اُنھیں کے ساتھ رہے اور یہ بزرگ بعد فراغ اپنے گھر سورج گڈھ واپس چلے آئے ۱۲

سے پڑھیں اور سات[عہ] آٹھ مہینے وہاں ٹھہرے۔

اس کے بعد قدرتی طور پر یہ خیال آیا ہوگا کہ ہنوز دہلی دور ہے جناب شاہ عبدالعزیز صاحب سے اگر ملاقات نہ ہوئی تو سخت افسوس ہوگا۔ آپ وہاں سے کوڑا من اعمال ضلع فتح پور پہنچے اور آہستہ آہستہ چلتے پھرتے ٹھہرتے ضلع کان پور میں وارد ہوئے پھر ضلع فرخ آباد کی طرف چلے گئے، غرض اسی طرح راہ بے راہ سفر ہو رہا تھا کہ ضلع کان پور میں مکرر پہنچے اور موضع خواجہ پھول تھانہ سکندرہ تحصیل بھوگنی پور کے قلعہ کے اندر جہاں آبادی ہے قیام فرمایا۔

موضع خواجہ پھول میں ورود ۵ رجب ۱۲۳۹ھ کو

خواجہ پھول کا وہاں مزار ہے اس کے پاس والی مسجد میں ٹھہرے اور بدستخط خاص دیوار جانب جنوب کی جھنجریوں پر لکھ دیا۔

بندہ فقیر امروز وارد مسجد ہذا شد عبدہٗ سید محمد نذیر حسین سورج گڈھی

المرقوم فی التاریخ پنجم ماہ رجب المرجب ۱۲۳۹ ہجری

عہ مولوی سید عبدالعزیز ساکن صمدن ضلع فرخ آباد کو میاں صاحب اپنے ایک خط میں اپنے زمانۂ طالب علمی الٰہ آباد کی کیفیت لکھتے ہیں "بخدمت عبدالعزیز سلمہٗ السلام علیکم از تحریر ایشاں بوضوح پیوست کہ بضلع الٰہ آباد رسیدند خوب شد عجب مسجدے ست کہ بہ ایام طلب علم چندے بسر کردہ ام در آں جا از مولوی زین العابدین صاحب مرحوم مغفور صحبت درس و تدریس گرم می بود و از چند اصحاب دوا ز ہم جلسہ مذاکرہ با انتہا کشیدہ بود وقتیکہ از اں سو در گذرند ضرور بینند کہ حال مسجد چیست شنیدہ ام کہ در ایام بلوہ از بیخ و بن برکندیدند یا کہ از توپ پرانیدند در دائرہ شاہ محمد اجمل مفتی اسد اللہ تشریف می داشتند یا کہ بہ جون پور مقیم شدند مولوی الیہ قاضی عدالت نصرانیہ بودند و حالا علوفہ از سرکار می یابند شاہ فخر الدین را ہم دیدہ بودم طبیب کہ مکتش دلبسیار زیرک و فرزانہ بودند بنگارند کہ کجا ہستند ڈاکٹر مولوی سید محمد عسکری ڈپٹی بسیار مرد با خدا و متبع کتاب و سنت ہستند از یں پیش بہ تقریبات ڈپٹی صاحب در کڑہ رفتہ ام ایشاں حافظ ولایت حسین را دیدہ اند فرزانہ جوان صالح ست بالضرور از مولوی صاحب موصوف ملاقات نمایند و طریقہ اخوت اسلامی جاری کردن منتج نتائج احسن ست وقتے کہ بہ نیت روانگی رحیم[عسہ] آباد بہ الٰہ آباد خواہم رسید ایشاں را اطلاع خواہم داد۔ والسلام مع الاکرام

الراقم العاجز

سید محمد نذیر حسین عفی عنہ"

عسہ رحیم آباد ضلع دربھنگہ سب ڈویژن سمستی پور میں ایک چھوٹی سی بستی ہے مظفر پور سے چھتیس میل پورب اور دکھن کی جانب اس وقت وہاں کے رئیس امام المناظرین مولانا مولوی عبدالعزیز سلمہ خلف الصدق شیخ احمد اللہ صاحب مرحوم ہیں ۱۲

سید عبدالعزیز جب بھوگنی پور کے تحصیل دار ہو کر وہاں گئے تو اس یادداشت کی خبر میاں صاحب کو دی، اس کے جواب میں آپ نے لکھا کہ "میں بھی ایام طلب علم میں کوڑا ہو کر تمہارے اسی علاقہ سے گذرا تھا تم نے لکھا ہے کہ "موضع خواجہ پھول کے قلعہ کی مسجد میں کوئی یادداشت ورود فقیر کی بقلم فقیر تحریر ہے" بے شک ہوگی ذرا اس کو کسی وقت پڑھ کر نقل کر لینا جس سے ماہ وسن وغیرہ دریافت کر لینے سے تم کو انتباہ ہوگا۔ میں ایک ٹٹو پر تھا ایک طالب[عہ] علم بھی میرے ساتھ تھے شوق کتاب بینی[عسہ] اُس وقت زیادہ تھا اور تمہاری طرح غصہ وری اور جلد بازی بھی مجھے زیادہ تھی اب کیا ہے فقیر ٹھنڈا ہو گیا تم بھی زیادہ عمر پاؤ گے عیال کا بوجھ زیادہ ہوگا سب این وآں طاق پر رکھی رہ جائے گی"

کتاب بینی، غصہ وری، جلد بازی،

المختصر اس علاقہ سے بھی آپ رخصت ہوئے۔

اور آہستہ آہستہ راہ نے راہ سفر کرتے ٹھیرتے ۱۳ رجب[سہ] ۱۲۴۳ ہجری مطابق ۳۰ جنوری ۱۸۲۸ء بدھ کے دن دہلی پہنچے مگر ایک مدت مدید میں پہنچے

عہ غالباً یہ وہی ہم سفر بزرگ مولوی امداد علی صاحب سورج گڈھی تھے۔ یہاں تک تو برابر ان کا ساتھ رہنا پایا جاتا ہے ۱۲ عسہ اس تحریر اور نیز بعض اَور تحریروں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت کتب بینی کا شوق بہت تھا مگر عربی کی استعداد جہاں تک تھی اُس کا حال تو معلوم ہی ہو چکا پھر وہ کتابیں دیکھتے تھے کس قسم کی اس کا کچھ ذکر نہیں اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ فارسی میں گھر ہی سے اچھی مہارت تھی اس لئے قیاس اسی کا مقتضی ہے کہ وہ فارسی ہی کتابیں مطالعہ کرتے ہوں گے اور چونکہ مذہب کا رنگ چڑھ چکا تھا وہ کتابیں بھی مسئلہ مسائل یا سیر کی مثل مدارج النبوۃ، معارج النبوۃ، روضۃ الصفا وغیرہ کی ہوں گی کیوں کہ ان کتابوں پر بھی میاں صاحب کی نظر نہایت ہی وسیع تھی اور ہر کتاب کے جزئیات اور اُن کے مصنفین پر پوری طرح ریمارک کرنے کی قدرت حاصل تھی۔ علاوہ اس کے عربی فارسی کے ماسوا ہزاروں اشعار اُردو کے اُن کو یاد تھے اور اُردو شاعری کے نکات وغوامض۔ بندش، قوافی اور شاعروں کی نسبت اُن کی رائے قابل وزن سمجھی جاتی تھی الہ آباد میں شیخ امام بخش ناسخ سے بھی میاں صاحب کی ملاقات رہی تھی عجب نہیں کہ اُردو شاعری کے ساتھ دل بستگی اسی وقت سے ہوئی ہو ۱۲ سہ ایک دوسری یادداشت میں ہے ۱۲۴۳ھ میں دہلی پہنچے اور جس یادداشت سے ہم نے ۱۲۴۳ھ نقل کیا ہے اس میں ۱۳ رجب روز چہار شنبہ ہے چنانچہ اس کی عبارت فارسی بجنسہ آگے آتی ہے اور یہی میرے نزدیک صحیح ہے کیوں کہ ۱۳ رجب ۱۲۴۲ھ شنبہ یا یکشنبہ کو واقع ہوئی تھی مطابق ۱۰ یا ۱۱ فروری ۱۸۲۷ء اور ۱۴ رجب ۱۲۴۳ھ ہوئی تھی پنج شنبہ ۳۱ جنوری ۱۸۲۸ء کو اس لئے صحیح تحقیق جنتری کے مطابق یہ ہے کہ آپ دہلی پہنچے ہیں ۱۳ رجب روز چہار شنبہ ۱۲۴۳ھ مطابق ۳۰ جنوری ۱۸۲۸ء کو کیوں کہ ۱۲ اور ۱۳ کا فرق کچھ بھی قابل لحاظ نہیں ہے بمقابلہ شنبہ یکشنبہ اور چہار شنبہ کے اور یہ بھی ممکن بلکہ اکثری ہے کہ (دیکھو صفحہ ۱۳)

امام بخش ناسخ سے ملاقات

تاریخ ورود دہلی کی تحقیق

کیوں کہ وطن کو آپ نے خیر باد کہا ۱۲۳۷ھ میں اور دہلی پہنچے ۱۲۴۳ھ میں چھ برس کے بعد کوئی صحیح وجہ اس کی معلوم نہیں ہوتی کہ اس قدر دیر کیوں ہوئی۔ مگر قیاس اسی کا مقتضی ہے کہ قلت زادراہ اور بے سروسامانی کے سبب سے ایسا غیر معمولی وقفہ سفر میں ہوا ہوگا۔

ایک دوسری بات اس سے بھی زیادہ تعجب انگیز ہے کہ موضع خواجہ پھول میں **میاں صاحب** ۵ رجب ۱۲۳۸ھ کو پہنچے اور دہلی پہنچے ۱۳ رجب ۱۲۴۳ھ کو ٹھیک پانچ برسوں کے بعد، یہ زمانہ کہاں گذرا اور کیوں کر گذرا ؟ بالکل تاریکی میں ہے جس پر کسی طرح روشنی نہیں پڑتی۔

ایک تیسرا امر عجیب اَور بھی ہے کہ اس پانچ برس کی معتد بہ مدت میں الہ آباد کے بعد پڑھنا بھی کہیں ثابت نہیں ہوتا کیوں کہ الہ آباد میں **ھدایۃ النحو** پڑھتے تھے اور دہلی پہنچ کر **کافیہ** شروع کی۔ المختصر خوش و ناخوش کسی طرح **آپ** دہلی پہنچ گئے اور مولوی محمد شجاع الدین مرحوم مفتی اوّل کے مکان پر اولاً اس سبب سے فروکش ہوئے کہ ایک ہم وطن[ع] **آپ** کے وہاں پہلے سے اقامت گزین تھے، چنانچہ حضرت خود اپنی ایک تحریر میں لکھتے ہیں "منت مر خدا ے را کہ ایں عاجز بے نوا بہ توفیق حضرت خداوند جل وعلا در ۱۲۴۳ھ یک ہزار و دو صد و چہل و سہ ہجری بروز چہار شنبہ تاریخ سیزدہم ماہ رجب در شاہ جہان آباد بر مکان مولوی شجاع الدین مرحوم مفتی اوّل

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰) دونوں چاند جمادی الثانی اور رجب کے اُنتیس ۲۹ کے ہوئے ہوں یعنی ۲۹ جمادی الاولیٰ کو ہوا جمادی الثانی کا چاند اور ۲۹ جمادی الثانی کو ہوا ہو رجب کا اس صورت میں ۱۳ رجب ۱۲۴۳ھ واقع ہوئی چہار شنبہ کو یہی تطبیق میرے نزدیک صحیح اور قرین عقل ہے ۱۲

[ع] یہ ہم وطن ہونا ہو وہی مولوی امداد علی مرحوم سورج گڈھی آپ کے ہم سفر تھے جو بعد تحصیل علوم دہلی سے سورج گڈھ واپس آ گئے اور مدت العمر وہیں رہے ۱۲

معلوم ہوتا ہے کہ یہ موضع خواجہ پھول یا اس کے بعد کسی دوسرے مقام سے جدا ہوئے اور دہلی پہلے پہنچے مگر کیوں مفارقت ہوئی قیاساً اس کی وجہ سوائے سوء مزاج کے اور کچھ معلوم نہیں ہوتی۔ اور اس کا ثبوت ملتا ہے میاں صاحب کے اُس گذشتہ خط سے جو سید عبدالعزیز تحصیل دار بھگنی پور کو لکھا ہے "میں ایک ٹٹو پر تھا ایک طالب علم بھی میرے ساتھ تھے شوق کتاب بینی اُس وقت زیادہ تھا اور تمھاری طرح غصہ وری اور جلد بازی بھی مجھے زیادہ تھی اب کیا ہے فقیر ٹھنڈا ہو گیا" ۱۲

مولانا عبدالخالق مرحوم کے پاس پہنچنا

ہم وطنے خود حاضر بود اقامت گزین شدہ و بعد دہ پانزدہ روز در کٹرہ پنجابیاں مسجد اورنگ آبادی بخدمت مولانا عبدالخالق صاحب مرحوم حاضر بودہ طرح تحصیل علوم درسیہ انداختم"

المختصر دس پندرہ روز کے بعد مفتی صاحب کے مکان سے اٹھ کر پنجابی کٹرہ کی مسجد اورنگ آبادی میں مولانا عبدالخالق دہلوی المتوفی ۱۲۶۱ھ کے پاس جا ٹھیرے۔

یہ مسجد[5] اس وقت ایک نہایت ہی عالی شان اور مساجد دہلی میں ممتاز تھی جو مسجد فتح پوری کی مدمقابل سمجھی جاتی تھی اور وہ بفضلہ تعالیٰ اس وقت تک موجود ہے مگر مسجد اورنگ آبادی ریلوے اسٹیشن کے احاطہ میں آجانے کے سبب سے مسمار کر دی گئی انا للہ وانا الیہ راجعون۔

باب دوم

۱۲۔ رجب ۱۲۴۳ ہجری مطابق ۳۱۔ جنوری ۱۸۲۸ء سے یکم شوال ۱۲۵۸ ہجری مطابق ۵۔ نومبر ۱۸۴۲ء پندرہ برسوں کے واقعات تحصیل علوم، شادی، مولانا سید شریف حسین صاحب کی ولادت، مولانا شاہ محمد اسحق قدس سرہٗ کی ہجرت، سند، طالب علمی کے احباب، ہم سبق طلبہ۔

---

[5] سرسید احمد خان مرحوم اپنی کتاب آثار الصنادید میں مسجد اورنگ آبادی واقع پنجابی کٹرہ کی نسبت لکھتے ہیں " پنجابی کٹرہ ایک مکان تھا مسکن سوداگروں کا اور اس میں اکثر پنجابی سوداگر اترا کرتے تھے اس سبب سے پنجابی کٹرہ مشہور ہو گیا ہے اس کٹرہ میں یہ مسجد ہے مصفا اور دل ربا نری سنگ سرخ کی کہ اس کی خوبی اور خوش نمائی بیان سے باہر ہے اور ایسی نیک نیت بیگم نے بنائی ہے کہ اب تک آباد ہے اور مولوی عبدالخالق صاحب اور مولوی محمد نذیر حسین صاحب اسی مسجد میں درس و تدریس فرماتے ہیں اور دن رات قال اللہ وقال الرسول کا ذکر رہتا ہے"۱۲

میاں صاحب نے کتب درسیہ کس کس سے پڑھیں اور کتنی مدت میں فارغ التحصیل ہو گئے

مولانا شاہ عبد العزیز صاحب کی وفات کی تاریخ

سولانا شاہ عبد العزیز صاحب قدس سرہٗ ۷ رشوال روز شنبہ ۱۲۳۹ھ[عہ] میں انتقال فرما چکے تھے جب کہ میاں صاحب رستہ ہی میں تھے۔ جناب شاہ صاحب کی وفات کے تین برس ۹ مہینے ۵ دن کے بعد دہلی پہنچے۔ دہلی میں اُس وقت جتنے ممتاز عالم تھے اُن میں بعض تو براہ راست شاہ عبد العزیز صاحب کے شاگرد تھے اور بعض اُن کے شاگرد کے شاگرد یا اُن کے خاندان والوں میں سے کسی کے شاگرد تھے مگر سب سے بڑھ کر مشہور حلقۂ درس جناب مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب علیہ الرحمۃ کا تھا جو شاہ عبد العزیز صاحب کے نواسے بھی تھے اور جانشین بھی۔

مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب کا حلقہ درس

میاں صاحب کی استعداد عربی هدایۃ النحو تک محدود تھی۔ اور اس وجہ سے وہ جناب مولانا شاہ محمد اسحٰق علیہ الرحمۃ کے حلقۂ درس میں شریک ہونے کی اُس وقت قابلیت نہیں رکھتے تھے۔ اِس بات کو سمجھ کر وہ پنجابی کٹرہ کی مسجد اورنگ آبادی میں ٹھیرے اُس مسجد کے متولی مولانا عبد الخالق مرحوم شاہ عبد القادر صاحب اور شاہ محمد اسحٰق[عہ] صاحب علیہما الرحمۃ کے ایک شاگرد رشید تھے اور یہاں

شاہ عبد الخالق صاحب شاگرد رشید تھے مولانا شاہ عبد القادر صاحب اور مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب کے

عہ مومن خاں نے قطعہ تاریخ وفات جو لکھا ہے اِس کا تاریخی شعر یہ ہے ؎

دست بے داد اجل سے بے سرو پا ہو گئے ۔۔۔ فقر و دیں فضل و ہنر لطف و کرم علم و عمل
۱۲۳۹ھ

اور سید احمد خاں نے جو قطعہ تاریخ وفات آثار الصنادید میں نقل کیا ہے اُس کا تاریخی شعر یہ ہے

از سر لطف و علم تاریخش ۔۔۔ رضی اللہ عنہ گفت حسن
۱۲۴۰ھ

لفظ اللہ کے دوسرے الف کا عدد اگر شمار میں نہ لیا جائے تو ۱۲۳۹ھ ہی ہوتے ہیں اور یہی صحیح ہے ۱۲

عہ جناب مولانا شیخ محمد تھانوی اپنے ایک مکتوب مرقومہ ۱۲۹۶ھ میں لکھتے ہیں:۔

مولانا شیخ محمد تھانوی کا خط بنام مولوی محمد حسین صاحب

"بسملا حامداً و مصلیاً از جانب ابو محمود محمد بن محمد اسعد احقر العباد شیخ محمد فاروقی تھانوی عفی عنہ۔ بعد سلام و تمنائے مواصل مالا کلام بخدمت جامع کمالات مشفقی مخلصی محبت عنوان عوالی مراتب مولوی محمد حسین صاحب زاد مجدہم موضوح شود کہ الطاف نامہ مشتمل بر دریافت حال سند علم حدیث شریف جامع علوم و فہوم جناب مولوی سید نذیر حسین صاحب مشمول موصول مطلع مخلص گردید مسرتہائے فراواں بخشید مخلص بخوبی آشنائے دیرینہ آں شفیق ست احتیاج یاد دہانیدن سامی ضروری نبود اکثر اوقات پرس و جو احوال سامی (دیکھو صفحہ ۳۴)

بہ نسبت دیگر علوم درسیہ کے دینیات کی طرف توجہ زیادہ تھی۔

میاں صاحب نے پٹنہ میں ترجمہ قرآن اور ترجمہ مشکوۃ پڑھ لیا تھا اس لئے علم دین کا خیال زیادہ تھا مگر ترجمہ سے تو کام چل نہیں سکتا تھا جب تک عربی زبان پر پورا تبحر نہ ہو اس لئے **آپ** نے مولانا عبد الخالق سے کافیہ کا سبق شروع کیا اور قطبی، مختصر معانی، شرح وقایہ، نور الانوار، حسامی یہ کتابیں آپ نے مولانا مغفور سے پڑھیں۔

اور شافیہ اصول اکبری. شرح کافیہ ملا جامی مع حاشیہ عبد الغفور زواہد ثلاثہ صدرا

پٹنہ میں ترجمہ قرآن و ترجمہ مشکوۃ پڑھنا

مولانا عبد الخالق صاحب سے کافیہ شروع کرنا اور حسامی تک پڑھنا

دوسرے اُستاد آخوند شیر محمد

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳) حسب وتیرہ خود کہ بہ نسبت احباب می دارم می کردہ باشم الحاصل در ۱۲۴۸ھ ہجری قدسی اتفاق مخلص حاضری خدمت جناب اُستاذی اُستاذ الآفاق مولانا شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی قدس سرہ جہت تحصیل وحصول سند گردیدہ وہاں زماں جناب مولوی سید نذیر حسین صاحب مصدر المناقب تحصیل علوم از جناب مولوی عبد الخالق صاحب مرحوم ومغفور می کردند وہر روز الا نادراً حاضر خدمت عالی حضرت اُستاذی مولانا ممدوح می شدند وحل مشکلات فن حدیث شریف وتفسیر وفقہ وغیرہ بخوبی می کردند مگر بچشم خود ندیدہ ام کہ بدرس قراءۃً یا سماعتاً دراں زماں بوقوع در آمدہ باشند مگر ابخوبی مسموع ست کہ ہمپاے معائنہ است کہ سند اوشاں بہ مولانا بودہ است مگر اکثر اکتساب فن حدیث شریف در پیش خدمت مولوی عبد الخالق صاحب خسر خود کہ از اخص تلامذہ مولانا حضرت شاہ عبد القادر برادر خورد مولانا حضرت شاہ عبد العزیز قدس سرہ اند ونیز سند جدید از پیش گاہ حضرت مولانا محمد اسحٰق قدس سرہا می دارند وتوجہ خاطر اقدس حضرت مولانا محمد اسحٰق قدس سرہ جانب مولوی نذیر حسین صاحب از بس بودہ است ووقت رونق افروزی حرمین شریفین بہ تقریب ہجرت مسموع ست کہ براں یقین ست سند حوالہ مولوی سید نذیر حسین صاحب عطا فرمودہ اند ومجاز گردانیدہ فقط بہ جہت ولا اکتموا الشہادۃ ہرچہ معلوم مخلص بود بے کم وکاست والمنوو آں مکرم ہیچ واہم از جانب جناب مولوی سید نذیر حسین صاحب اندریں باب سند نیارند مارا ہم ہمیں قدر اعتماد نسبت اوشان ست بے دغدغہ سند تلامذہ اوشاں یعنی مولوی سید نذیر حسین صاحب پایۂ اعتبار بخوبی می دارد برقول اہل خیال وعناد گوش نباید نہاد سد راہ فیض ست کہ از اوشاں جاری ست ہر قدر کہ نو آموزاں برآں ناز می کنند زیادہ ازاں مولوی صاحب موصوف در ذخیرہ خویش نہادہ فراموش کردہ باشند والسلام مع الاکرام بعندیہ من دہلی امروز از جہاں کس عبارت ست دعاے سلامتی اوشاں ضرورست دہلی دو چشم می داشت جناب مولانا قطب الدین صاحب مرحوم وجناب موصوف بالفعل یک چشم ماندہ کہ آں عبارت ست از جناب مولوی سید نذیر حسین صاحب فقط پیوستہ با سور لا تقنطوا یاد فرمایند۔ راقم احقر العباد شیخ محمد فاروقی تھانوی ۱۲۹۳ھ ہجری ۱۲

عفی عنہ

میاں صاحب بعزازت بلا مذشاہ اسحٰق صاحب کی جناب میں حاضر ہو کر حل مشکلات فن حدیث وتفسیر وفقہ وغیرہ کرتے تھے

میاں صاحب کی جانب شاہ اسحٰق صاحب کی خاص توجہ

چشم دہلی

عہ اِس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ میاں صاحب نے جس تحقیق کے ساتھ مولانا شاہ اسحٰق علیہ الرحمۃ سے حدیث تفسیر اور فقہ پڑھی شاید ہی کسی دوسرے شاگرد نے اس تحقیقات سے پڑھی ہو کیوں کہ اصل چیز تو حل مشکلات ہے جس کے لئے اس سے بہتر کوئی طریقہ ہو نہیں سکتا جو میاں صاحب نے اختیار کیا تھا ۱۲

شمس بازغہ، مولانا آخوند شیر محمد قندھاری متوفی ۱۲۵۷ھ کی خدمت میں حاصل کی۔

آخوند صاحب مولانا شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۲۳۶ھ کے شاگرد تھے اور صحیح بخاری و تفسیر بیضاوی میں مولانا شاہ اسمٰعیل شہید کے ہم سبق تھے جب کہ مولانا شہید اپنے چچا شاہ عبدالقادر صاحب موصوف سے پڑھتے تھے اٹھاسی برس کی عمر پائی یعنی سعداللہ صاحب المتوفی ۱۲۹۴ھ ان سے کافیہ شرح ملا شرح شمسیہ قطب الدین رازی کی پڑھ کر لکھنؤ چلے گئے۔

تیسرے استاد جلال الدین ہراتی

جلال الدین ہروی ایک معقولی بزرگ تھے جو کہ کتب درسیہ پنجاب و پشاور میں تمام کرکے فارغ التحصیل ہو کر دہلی آئے تھے اور مولوی فضل امام خیرآبادی متوفی ۵ ذی القعدہ ۱۲۴۴ھ سے تھوڑا حصہ افق المبین کا پڑھا تھا میاں صاحب نے شرح سلم، حمداللہ، قاضی مبارک، شرح مطالع اُن کی خدمت میں پڑھی۔

انہیں کے مدمقابل مولوی سعداللہ کابلی تھے جن سے مولوی محمد ابراہیم نگرنہسوی المتوفی ۱۲۸۲ھ شرح عقائد و خیالی تک پڑھ کر رام پور چلے گئے ۷۰ برس کی عمر میں انتقال کیا۔

چوتھے اُستاد مولوی کرامت علی اسرائیلی

مطوّل، توضیح تلویح، مسلم الثبوت، تفسیر بیضاوی اور تفسیر کشاف سورہ نساء تک مولوی کرامت علی اسرائیلی مؤلف سیرۃ احمدیہ سے پڑھی۔ یہ بزرگ فنون درسیہ میں مولوی فضل امام خیرآبادی اور مولانا شاہ رفیع الدین متوفی ۱۲۳۳ھ ابن مولانا شاہ ولی اللہؒ کے شاگرد تھے اور علم حدیث میں مولانا شاہ محمد اسحٰق و مولانا اسمٰعیل علیہما الرحمۃ کے تلمیذ مذہب شافعی رکھتے تھے اور اُن کے والد حنبلی المذہب تھے۔ امام نووی شارح صحیح مسلم کی تحقیقات کے مطابق مذہب شافعی میں مہارت حاصل کی تھی سلسلۂ نسب بنی اسرائیل تک پہنچتا ہے اور یہی وجہ اسرائیلی کہلانے کی ہے شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ کے مدرسہ کے قریب رہتے تھے۔

پانچویں اُستاد تربیت خان

مولوی محمد بخش عرف تربیت خاں اُس عصر کے مشہور مہندس تھے کتب ریاضیہ خلاصۃ الحساب، قوشجی، تشریح الافلاک، شرح چغمنی اُن سے تحصیل کی مولوی محمد بخش خاندانی عالم اور مولانا شاہ رفیع الدینؒ کے شاگرد تھے۔ اور علوم ریاضیہ و فلسفہ میں بڑی مہارت رکھتے تھے کتب متقدمین پر نہایت وسیع نظر تھی اور اُن کا خاندان خلفاً

عن سلف مشغلۂ علمی میں ممتاز چلا آتا تھا چوں کہ ہر مسئلہ میں علت کی تلاش کرتے اس لئے مولانا شاہ رفیع الدین علیہ الرحمۃ نے اُن کا نام ہی معلل رکھ دیا تھا۔ ان کے پردادا حضرت مجدد الف ثانی کے اُستاد تھے اور شاہزادہ سلیم بن اکبر (جو آگے چل کر بہ لقب جہاں گیر مشہور ہوا) کی تعلیم و تربیت بھی انہیں کے سپرد تھی اور اسی مناسبت سے دربار اکبری سے اُن کو تربیت خاں خطاب ملا تھا جو نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتا ہوا مولوی محمد بخش تک پہنچا تھا۔

تربیت خاں خطاب کی وجہ

جناب **میاں صاحب** اپنی ایک تحریر میں اُن کے اعزاز کی نسبت لکھتے ہیں

شاہ ابوسعید صاحب کا تربیت خاں کی تعظیم کرتے تھے اور تعظیم کی وجہ

"من دیدہ ام کہ ہرگاہ درخانقاہ شاہ غلام علی مرحوم می رفتند شاہ ابوسعید صاحب والد ماجد شاہ احمد سعید و شاہ عبدالغنی تعظیم و توقیر اُستادانہ می کردند بسبب شاگردی حضرت مجدد از خاندان شاں عمر شاں ہشتاد سالہ بود و سکونت شاں در دہلی قریب اسٹیشن پنجاب بود از قوم سادات بودند"

چھٹے اُستاد مولانا عبدالقادر رام پوری

مقامات حریری، حمیدی اور کسی قدر دیوان متنبی مولانا عبدالقادر رام پوری سے پڑھا اور بہت کچھ احادیث متفرقہ کا استفادہ بھی اُن سے کیا۔

ساتویں اُستاد ملا محمد سعید پشاوری

ایک اَور اُستاد **میاں صاحب** کے ملا محمد سعید پشاوری تھے مگر اُن سے کیا پڑھا اِس کی تفصیل نہیں معلوم ہوئی۔

آٹھویں اُستاد حکیم نیاز احمد سہسوانی

مولوی حکیم نیاز احمد صاحب سہسوانی (جو بڑے عالم اور عامل بالحدیث تھے اور مولوی محمد بشیر صاحب مدظلہ کے چچا) سے علم طب میں نفیسی اور معقول میں ملا حسن پڑھا تھا۔ ۱۳۔ رجب کو **آپ** وارد دہلی ہوئے تھے اور آخر ۱۲۴۶ھ تقریباً ساڑھے تین برس کے عرصہ میں تمام علوم رسمیہ سے فارغ ہو کر فاتحہ فراغ کے بعد ہمہ تن تفسیر و حدیث و فقہ کی تحصیل میں مصروف ہوگئے۔

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ **میاں صاحب** نے دہلی کا سفر شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہونے کی نیت سے کیا تھا مگر قبل اس کے کہ **میاں صاحب** دہلی پہنچیں اُن کا انتقال ہو چکا تھا۔ اور اُن کے سجادہ نشین مولانا شاہ محمد اسحٰق علیہ الرحمۃ تھے۔ مولانا محمد اسحٰق صاحب کا حلقۂ درس علم حدیث کے لئے تمام ہندوستان کا مرکز تھا۔

شاہ اسحٰق صاحب سے تفسیر، حدیث اور فقہ پڑھنا

میاں صاحب نے بھی علوم رسمیہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد تحصیل تفسیر، حدیث اور فقہ کے لئے اُسی درس گاہ کا رُخ کیا اور صحاح ستہ، تفسیر جلالین، تفسیر بیضاوی، کنز العمال، جامع صغیر حافظ سیوطی یہ کتابیں مولانا ممدوح سے پڑھنے کے علاوہ تیرہ[13] برس کی مدت مدید تک شب و روز جناب مولانا کی صحبت بابرکت سے مستفیض ہوتے رہے

صحیح بخاری و صحیح مسلم کو مکرر پڑھنا

صحیح بخاری و صحیح مسلم پڑھنے کا یہ دستور تھا کہ ایک دن پہلے شام کو مولوی رحمت اللہ بیگ کے ساتھ مولانا عبد الخالق سے وہی سبق پڑھ لیتے تھے جو کل مولانا محمد اسحٰق کے درس میں آنے گا اور صبح کو مولانا محمد اسحٰق صاحب کے درس میں شریک ہوتے صرف سماعت کرتے اور اگر کوئی شبہ باقی رہ جاتا تو اُس کو حل کرتے اِسی لئے شاہ محمد اسحٰق صاحب کے حلقہ میں اُن کو قرأت کا اتفاق کم ہوا اور سماعت کا زیادہ اور اسی کی طرف شاہ صاحب نے اُن کی سند میں اشارہ کیا ہے۔ حَیْثُ قَالَ۔ سَمِعَ مِنِّی الْاَحَادِیْثَ الْکَثِیْرَۃ

شادی کا حال

اسی زمانہ میں جب کہ آپ مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب سے کسب فیض کر رہے تھے دہلی پہنچنے کے چھٹے سال ۱۲۴۸ھ مطابق ۱۸۳۲ء میں اپنے نہایت شفیق اُستاد مولانا سید عبد الخالق متولی مسجد اورنگ آبادی کی صاحبزادی سے عقد نکاح کیا اس شادی کے کفیل و مہتمم خود مولانا شاہ محمد اسحٰق علیہ الرحمۃ اور اُن کے برادر خورد مولانا محمد یعقوبؒ تھے

شادی کا اہتمام

شب عقد میں دونوں حضرات مع جماعت طلبۂ علم مسجد اورنگ آبادی میں تشریف لا کے تمام رات قرآن مجید و ابو داؤد کا درس فرماتے رہے صبح کو نکاح ہوا۔ اور بعد فراغ دعوت ولیمہ تناول فرما کر دولت خانہ تشریف لے گئے۔

مولانا علی احمد صاحب اپنے ایک مطول خط میں (جس کی نقل آئندہ بجنسہ کی جائے گی) لکھتے ہیں "آنانکہ در شادی کتخدائی مولوی صاحب ممدوح با صبیہ عفیفہ حضرت مولوی صاحب مخدومی مولوی عبد الخالق صاحب مرحوم و مغفور شریک بودند اظہر من الشمس ست کہ حضرت مولانا مبرور (شاہ محمد اسحٰق صاحب) از نماز عشاء تا نماز صبح مع جماعت کثیرہ از علما و اہل مدرسہ در مسجد قدیم پنجابی کٹرہ رونق افروز بودند و مجلسے عجیب بابرکت و میمنت ترتیب یافتہ بود کاتب حروف نیز دراں مجلس حاضر بود"

[13] مولانا شیخ محمد تھانوی کے خط (جس کی بجنسہ نقل حاشیہ میں منقول ہو چکی ہے) سے مفصل کیفیت آپ کی مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب سے تحقیق کرنے کی معلوم ہو جاتی ہے ۱۲

اساتذہ کی رضامندی

اساتذہ کی رضامندی، عنایت و مہربانی، حسن ظن اور اعتماد ثابت کرنے کے لئے آپ کا مولوی عبدالخالق رحمہ کی لڑکی سے نکاح کرنا، مولانا اسحٰق رحمہ کا اس خلوص و خصوصیت ع۵

مولانا شاہ محمد اسحٰق علیہ الرحمۃ کا ترجمہ

ع۵ ترجمہ مولانا شاہ محمد اسحٰق علیہ الرحمۃ

آپ کی کنیت ہے ابو سلیمان آپ کے والد بزرگوار کا نام تھا محمد افضل فاروقی جو رہنے والے تھے لاہور کے اور آپ نواسے تھے جناب مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے آپ کی ولادت تقریباً ۱۱۹۷ھ میں ہوئی۔

آپ نے تحصیل علم کی مولانا شاہ عبدالقادر مولانا شاہ رفیع الدین اور مولانا شاہ عبدالعزیز قدس اللہ سرہم العزیز اپنے تینوں ناناسے اور چونکہ جناب شاہ عبدالعزیز صاحب کے کوئی بیٹا نہ تھا اس لئے آپ ہی بعد ان کے مالک مسند خلافت ہوے۔ فریضہ حج ادا کرنے کے لئے آپ ۱۲۴۰ھ میں مکہ معظمہ گئے وہاں سنہ ۱۲۴۱ھ میں شیخ عمر بن عبدالکریم مکی المتوفی م ۱۲۴۷ھ نے بھی آپ کو روایت حدیث کی اجازت اپنے طریقہ کی دی سولہ برس کے بعد ۱۲۵۸ھ میں آپ نے ہجرت کی اور دہلی سے مکہ میں جا بسے۔

شیخ عمر بن عبدالکریم مکی ممدوح آپ کی شان میں اکثر فرماتے کہ ان میں حلول کر گئی ہے برکت ان کے نانا شیخ عبدالعزیز محدث دہلوی کی ان کے الفاظ یہ ہیں۔ قد حلت فیہ برکۃ جدہ الشیخ عبدالعزیز الدہلوی شیخ موصوف علم حدیث اور رجال میں قائل تھے آپ کے کمال کے۔

آپ نے ستر برس کے سن میں وفات پائی مکہ معظمہ میں ماہ رجب ۱۲۶۲ھ میں اور مدفون ہوے معلی میں قریب مزار مبارک ام المومنین حضرت خدیجہ کبری رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شیخ عبداللہ سراج مکی المتوفی ۱۲۶۴ھ نے آپ کے غسل جنازہ پر فرمایا واللہ انہ لو عاش وقرأت علیہ الحدیث طول عمری ما نلت ما نالہ

مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے اور فرماتے الحمد للہ الذی وھب لی علی الکبر اسمٰعیل و اسحٰق۔

جناب شاہ عبدالعزیز صاحب اکثر فرماتے کہ میری تقریر تو لی اسمٰعیل نے تحریر رشید الدین نے اور تقویٰ اسحٰق نے۔ میاں صاحب فرماتے تھے کہ امامت نماز پنجگانہ جناب شاہ عبدالعزیز صاحب کے وقت میں مولانا شاہ اسحٰق صاحب ہی کرتے تھے۔ ایک روز ایک ولایتی ملا نماز میں جو شریک ہوا تو دیکھا کہ امام صاحب صرف ٹوپی اوڑھے بغیر عمامہ کے نماز پڑھاتے ہیں۔ اس نے جناب شاہ عبدالعزیز صاحب سے کہا کہ امام صاحب عمامہ نہیں باندھتا۔ امام کے لئے عمامہ باندھنا ضرور ہے۔ آپ نے شاہ اسحٰق صاحب سے فرمایا کہ دیکھو ملا صاحب کیا کہتے ہیں عمامہ کیوں نہیں باندھتے۔ شاہ اسحٰق صاحب نے بسبب اپنے فطرتی حلم و متانت کے کچھ جواب نہ دیا۔ دوسرے وقت بھی صرف ٹوپی ہی کے ساتھ نماز پڑھائی تو وہ ملا نماز کے بعد بگڑا اور جناب شاہ عبدالعزیز صاحب سے کہنے لگا کہ آپ کا پیش امام عمامہ نہیں باندھتا ہم لوگ عمامہ والوں کی نماز ان کے پیچھے مکروہ ہوتی ہے۔ تب جناب شاہ عبدالعزیز صاحب کو بھی جلال آگیا۔ جواب میں فرمایا کہ ابھی تو اسحٰق ٹوپی سر پر رکھ کر امامت کرتا ہے آیندہ سے کہہ دوں گا کہ ننگے سر نماز پڑھاوے اور ساری دنیا کو اس کی اقتدا کرنی ہوگی۔

سرسید احمد خاں مرحوم آثار الصنادید میں لکھتے ہیں کہ "وہ آپ نے حدیث اور علم حدیث کا (دیکھو صفحہ ۳۹)

اور مزید اہتمام کے ساتھ شریک ہونا ایسی کافی شہادت ہے کہ اس سے بڑھ کر ہو نہیں سکتی۔

ورود دہلی سے یہاں تک کے واقعات کے متعلق خود میاں صاحب کی اپنی لکھی ہوئی ایک یادداشت مورخہ ۱۱ محرم ۱۲۹۲ھ جو میرے پاس موجود ہے جو بعینہ نقل کردی جاتی ہے اس سے تحصیل علم کے متعلق واقعات کسی قدر تفصیل سے معلوم ہوں گے

وہو ھذا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیدہ ام در غنچگی چندیں جفائے باغباں		بعد گل گشتن نمی دانم چہ گل خواہد شگفت

میاں صاحب کے دست خاص کی لکھی ہوئی یادداشت

منت مر خدائے را کہ ایں عاجز بے نوا بہ توفیق حضرت خداوند جل وعلی در ۱۲۴۳ھ یک ہزار و دو صد و چہل و سہ ہجری بروز چہارشنبہ تاریخ سیزدہم (۱۳) رجب در شاہ جہاں آباد بر مکان مولوی شجاع الدین مفتی اوّل ہم وطنے خود حاضر بودہ اقامت گزین شدہ بعدہ پانزدہ روز

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸) دس بیس برس تک جناب شاہ عبدالعزیز صاحب کے سامنے بیٹھ کر طلبہ کو دیا۔ اتباع سنت سے کوئی کام آپ سے سرزد نہ ہوتا کہ وہ فعل رسول مختار نہ ہوتا۔ چونکہ حق جل وعلا نے صورت اور سیرت دونوں عطا کی تھیں اُن کی صورت سے آثار صحابیت ظاہر ہوتے تھے اور یقین ہوتا تھا کہ حضرت سید الثقلین صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ وآلہ کی صحبت کا فیض جنھوں نے پایا ہوگا اُن کی یہی صورت وسیرت ہوگی مصرع نہ بجاست خاتم المرسلیں۔

جامع اوراق کہتا ہے کہ تدریس اور فتاویٰ نگاری سے چونکہ آپ کو فرصت نہ تھی اس لئے سوائے مسائل اربعین، مائۃ مسائل اور تذکرۃ الصیام کے آپ سے کوئی کتاب یادگار نہیں پائی جاتی۔ میاں صاحب مولانا شہید اور مولانا شاہ اسحٰق کی نسبت اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎ برائے رہبری قوم فساق ٭ دوبارہ آمد اسمٰعیل و اسحٰق ٭ آپ کے مشاہیر تلامذہ کی فہرست درج ذیل ہے:۔

فہرست مشاہیر تلامذہ مولانا شاہ محمد اسحٰق قدس سرہ

مولانا محمد یعقوب۔ مولوی محمد عمر بن مولانا شہید۔ مولوی کرامت علی اسرائیلی۔ شیخ محمد انصاری سہارنپوری مکی۔ مولوی محمد عبدالخالق دہلوی میاں صاحب کے خسر۔ مولوی صبغۃ اللہ والد ماجد قاضی محفوظ اسد پانی پتی۔ مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب موضوع سوانح عمری ہذا۔ مولوی یار علی بارہ وترہت۔ مولوی محمد ابراہیم نگرنہسوی عظیم آبادی۔ شیخ محمد تھانوی۔ شاہ عبدالغنی دہلوی مہاجر۔ مولوی علی احمد ٹونکی ٹونک۔ نواب قطب الدین خان دہلوی۔ مولوی عالم علی مراد آبادی۔ شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی۔ مفتی عنایت احمد۔ مولانا محمد حاذق عربی۔ مولوی سبحان بخش شکارپوری۔ مولوی عبداللہ سندھی۔ مولوی گل کابلی۔ مولوی نور علی حسام الدین۔ حافظ محمد فاضل سورتی۔ حافظ حاجی محمد مرحوم جونپوری دہلوی۔ مولوی بہاؤ الدین دکھنی۔ مولوی قاری حافظ کرم اللہ دہلوی۔ مولوی نور الحسن کاندھلی۔ مولوی نصیر الدین۔ مولوی عبدالقیوم بڈھانوی نواسہ شاہ عبدالعزیز دہلوی۔ مولوی نوازش علی دہلوی۔ مولوی رستم علی خان دہلوی۔ حافظ احمد علی سہارنپوری۔ قاری عبدالرحمٰن پانی پتی۔

درکٹرہ پنجابیاں مسجد اورنگ آبادی بخدمت مولانا عبدالخالق صاحب مرحوم حاضر بودہ طرح تحصیل علوم رسمیہ انداختم و بہ عرصہ سہ و نیم سال علوم رسمیہ را از مولوی جلال الدین صاحب مرحوم و مولوی شیر محمد قندھاری مرحوم و از محمد سعید پشاوری مرحوم و مولوی عبدالخالق صاحب مرحوم حاصل کردہ و فراغت نمودہ بقصد تحصیل علم حدیث و فقہ بہمہ تن متوجہ شدم و در سن ششم از وقت اقامت دہلی عقد مناکحت بستم و بشب عقد جناب فیض مآب برکت انتساب مولانا محمد اسحٰق و مولوی محمد یعقوب رحمہما اللہ تعالےٰ و دیگر طلبہ وغیرہ تمام شب باستماع قرآن مجید و ابوداؤد شریف بیدار ماندند و علی الصباح دعوت ولیمہ نوش فرمودہ بجاے خود تشریف فرما شدند و درہماں سال ہمراہ مولوی عبداللہ سندھی و مولوی محمد گل کابلی و مولوی نورعلی متوطن سمراون و حافظ محمد فاضل سورتی و حافظ حاجی محمد مرحوم در صحیح بخاری بوقت صبح از جناب مولانا محمد اسحٰق صاحب مرحوم شریک شدم و اکثر سامع بودم و کمتر قاری و از جناب مولوی عبدالخالق صاحب مرحوم مع مولوی رحمت اللہ بیگ نیز صحیح بخاری آغاز کردم و جائے کہ شک و شبہ دریں جامی ماند علی الصباح در سبق آں نزد مولانا ممدوح مغفور[*] حل آں می کردم آخرالامر در ہفت ماہ نزد مولوی صاحب مرحوم و در عرصہ نہ ماہ از مولانا مغفور و مرحوم کتاب مذکور باختتام رسید و در صحیح مسلم ہمیں معاملہ رو داد لیکن دریں کتاب مولوی عبداللہ موصوف شریک نشدند صرف صحیح بخاری خواندہ رہ گراے وطن خود شدند و باقی طلبہ بدستور صحیح مسلم را تمام کردند و وقت معتاد و معہود سبق بخدمت مولانا صبح گاہ بود و مولوی یار علی صاحب ہموطن من و مولوی قطب الدین خاں صاحب مرحوم و مولوی علی احمد صاحب ہموطنے کہ در ٹونک بہ دربار نواب وزیرالدولہ مرحوم بر عہدہ میر منشی ممتاز اند بعد نماز ظہر صحیح بخاری می خواندند

---

[*] جناب مولانا شیخ محمد تھانوی اپنے مکتوب مرقومہ ۱۲۹۲ھ (جس کی نقل بعینہ صفحہ ۳۳ کے حاشیہ میں گزر چکی ہے) میں لکھتے ہیں "الحاصل در ۱۲۴۹ ہجری قدسی اتفاق مخلص حاضری خدمت اُستاذی اُستاذ الآفاق مولانا شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی قدس سرہ جہت تحصیل و حصول سند گردید دراں زماں جناب مولوی سید نذیر حسین صاحب مصدر المناقب تحصیل علوم از جناب مولوی عبدالخالق صاحب مرحوم مغفور می کردند و ہر روز الّا نادراً حاضر خدمت عالی حضرت اُستاذی مولانا ممدوح می شدند و حل مشکلات فن حدیث شریف و تفسیر و فقہ وغیرہ بخوبی می کردند"

ومن دراں وقت یعنی بوقت ظہر حاضر نمی شدم و شریک شاں نہ بودم و در آں زماں از نواب قطب الدین خاں صاحب مرحوم چنداں تعارف و ارتباط نبود و ہرگاہ نزد مولانا مرحوم ہدایہ شروع شد پس دریں کتاب نواب صاحب مرحوم و مولوی بہاؤ الدین دکھنی و والد ماجد قاضی محفوظ اللہ صاحب پانی پتی و مولوی قاری حافظ کرم اللہ مرحوم کہ مع پدر و چہار برادر خود بہ جناب مولانا شاہ عبد العزیز صاحب قدس سرہ مشرف باسلام شدہ بودند شریک ہدایہ شدند و ایں عاجز ہم در ہدایہ شریک ایشاں بود بعد نصفے ہدایہ در جامع صغیر شریک شاں شدم ولیکن جامع صغیر پنج و شش جزء خواندہ شد و ایں عاجز کنز العمال علی متقی تن تنہا دو سہ جز از مولانا مرحوم خواندہ و از شریک شدن در ہدایہ از جناب مولوی صاحب مرحوم سلسلہ محبت و الفت و ارتباط و انبساط روز بروز دراز گردید۔ در زمانیکہ مولوی محمد ابراہیم نگرنہسوی کہ بعد قریب حادثہ گذشتن نواب شمس الدین خان مرحوم از فراغ تحصیل علوم رسمیہ رام پور بہ دہلی آمدہ قدرے تفسیر بیضاوی و صحیح بخاری از مولانا مرحوم خواندند و زود و از زود در سہ چہار ماہ صحیح بخاری تمام نمودند من ہم شریک سماعت شاں شدہ بودم و تمام و کمال آں شنیدم و لہذا مولانا مرحوم در سند من ارقام فرمودہ اند کہ سمع منی الاحادیث الکثیرۃ

نواب قطب الدین خاں سے ارتباط

تیسری بار صحیح بخاری پڑھنا

مولانا سید شریف حسین کی ولادت

مولانا سید شریف حسین کی ولادت

معلوم ہوتا ہے کہ آغاز ۱۲۴۸ھ مطابق ۱۸۳۳ء میں میاں صاحب کی شادی ہوئی اور اُسی سال کے اخیر میں نو دس مہینوں کے بعد مولوی سید شریف حسین کی ولادت ہوئی تھی۔

افسوس ہے کہ زمانۂ تحصیل کے زیادہ تفصیلی حالات دریافت کرنے کا کوئی معتبر ذریعہ موجود نہیں ہے نہ تو شیخ کو کبھی اپنے سوانح عمری کے لکھوانے کا خود خیال

؎ ایک دوسری یادداشت میں میاں صاحب لکھتے ہیں "و احادیث بسیارے نیز از مولانا حاصل نمودم و دوازدہ سیزدہ سال بہ صحبت مولانا فیض یاب شدم و صحبت از منۂ کثیرہ کسے را بجز من عاجز از شاگردان مولانا میسر نشد و دریں از منۂ کثیرہ صدہا فتوئی اتفاق تحریر رو دادہ و خود مولانا مرحوم بنا بر امتحان و نیز کارگذاری مستفتیاں سوالہا بہ من سپرد می فرمودند برائے تحریر جوابات ۱۲

ہوا اور نہ شاگردوں نے اُس زمانہ کے واقعات کو قلمبند کرنے کا ارادہ کیا کہ مختلف اوقات میں شیخ کی زبان سے سُن سُن کر اور پوچھ پوچھ کر اُن جزئی واقعات کو ضبط کر لیتے اور ہنگام طالب العلمی ہیں کسی کو کیوں خیال ہوتا۔ کہ یہ غریب پوربی طالب علم جو نہ تو کسی مشہور و معروف خاندان علماء سے ہے نہ کسی ممتاز قریہ مشاہیر کا باشندہ ہے نہ دولت و ثروت پاس رکھتا ہے۔ نہ کسی قسم کی دنیاوی وجاہت ایک دن ایسا ہوگا کہ ہندوستان کے پایۂ تخت میں بیٹھ کر نہ صرف صدر نشین علما ہوگا بلکہ دنیائے اسلام میں علم حدیث کا روشن آفتاب ہو کر چمکے گا اور صحیح معنی میں بغیر کسی مبالغہ کے **مجدد** کہلانے کا مستحق ہوگا۔

مجدد

لیکن اگر یہ بات صحیح ہے کہ دنیا کے مہتم بالشان واقعات دفعۃً نہیں پیدا ہو جاتے بلکہ سنت اللہ کے مطابق بہ تدریج اور رفتہ رفتہ اُن کے اسباب جمع ہوتے جاتے ہیں اور پھر وقت آجانے پر واقعات کا ظہور ہوتا ہے تو اس بات کے یقین کرنے کی قطعی وجہ موجود ہے کہ زمانۂ تحصیل میں **میاں صاحب** کا مطالعہ نہایت غائر اور استعداد نہایت جید ہوگی۔ مشرقی طریقۂ تعلیم میں ایک رواج یہ بھی ہے کہ ہر منتہی طالب العلم کے ساتھ کچھ مبتدی طلبہ ضرور رہتے ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ ترقی استعداد کے واسطے یہ طریقہ نہایت مفید ہے۔

مطالعہ غائر اور استعداد جید

ضرور ہے کہ اس قسم کے متعدد پڑھنے والے ابتدا ہی سے **میاں صاحب** کے ساتھ بھی ہوں گے اور اس ذریعہ سے استحضار مسائل کے ساتھ ساتھ قوت مطالعہ اور ملکۂ تقریر میں بھی ترقی ہوتی جاتی ہوگی جو ایک مدرس کے لئے ضروری ہے۔

میاں صاحب نے ایک موقع پر اپنی زبان سے فرمایا تھا کہ "ابتدا میں سات آٹھ برس صرف صرف ونحو ومعانی کا درس دیا ہے" غالباً یہ وہی زمانہ ہے جب کہ آپ مولانا شاہ محمد اسحٰق رحمہ اللہ کے حلقہ درس کے ایک مستعد طالب العلم ہوں گے یا مختلف اساتذہ مذکورین سے تحصیل میں مصروف ہوں گے۔

صرف ونحو ومعانی کا درس سات آٹھ برس تک دیا

علوم دین کی مشہور درس گاہوں میں جواب استفتا لکھنے کا یہ طریقہ مروج ہے کہ استفتا جواب لکھنے کے واسطے ممتاز طالب العلموں کے حوالے کر دیا جاتا ہے اور ضرورت ہوتی ہے تو شیخ مواد کا پتہ دیدیتا ہے کہ فلاں کتاب یا کتابوں کے فلاں

فصل وہاب سے مدد لینی چاہئے میاں صاحب کی وسعت نظر کو اس طریقہ سے بھی بڑی مدد پہنچی تھی۔ جیسا کہ آپ نے خود اپنی ایک یادداشت میں لکھا ہے جس کی نقل حاشیہ صفحہ ۴۱ میں بھی گذر چکی "واحادیث بسیارے نیز از مولانا حاصل نمودم و دوازدہ وسیزدہ سال بہ صحبت مولانا فیض یاب شدم وصحبت از سنہ کثیرہ کسے ناچیز من عاجز از شاگردان مولانا مبرور میسر نشد و دریں از سنہ مذکور و صدہا فتوئے اتفاق تحریر روداده و خود مولانا مرحوم بنابر امتحان و نیز کارگذاری مستفتیان سوالہا بہ من سپرد می فرمودند برائے تحریر جوابات"

جوابِ استفتاء لکھنا

معلوم ہوتا ہے کہ میاں صاحب کی طبیعت میں تقلید کی ناجائز بندش کو توڑنے اور علم دین کے اصلی سرچشمے کتاب وسنّت سے براہ راست سیراب ہونے کا میلان ابتدا ہی سے تھا اور بقول مشہور "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات" اکثر موقعوں پر طبیعت کا یہ اصلی رنگ باوجود خارجی مزاحمتوں کے پھوٹ نکلتا تھا۔ مولانا محمد اسحٰق کی تجربہ کار نگاہ اس رنگ کو تاڑ جاتی اور مولانا خوشی اور رضامندی کے لہجہ میں ہونہار شاگرد کو داد دیتے اور ہمت بڑھاتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ جناب مولانا کی خدمت میں ایک استفتا اولاد ناجائز کے متعلق آیا۔ مولانا نے سب شاگردوں کو اُس کا جواب لکھنے کے لئے ارشاد فرمایا مگر میاں صاحب کے سوا اَور کسی نے جواب پر (غالباً بسبب اشکال مسئلہ) قلم نہ اُٹھایا۔ جواب کو دیکھ کر مولانا بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے کہ اس لڑکے سے وہابیت کی جھلک آتی ہے بڑا تیز ہے۔

تحقیق کی چاٹ ابتدا ہی سے میلان

اُستاد کی داد

کوتاہ بین نگاہیں شاید اس جملہ کے الفاظ کو تعریض پر محمول کریں اور اس مدح کو قدح سمجھیں مگر اہل ذوق سمجھتے ہیں کہ مولانا نے مولوی نذیر حسین کی جو قدر افزائی اِس بدنام مگر معنی خیز لفظ واحد (وہابیت) سے کی اور جس موثر مگر مخفی طریقہ سے ترک تقلید اور اعتصام بالکتب والسنۃ پر ہمت دلائی۔ وہ بات گھنٹوں کی مدحیہ تقریر سے نہیں حاصل ہوسکتی تھی۔ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ تھوڑے دنوں بیشتر سارے ہندوستان میں توحید خالص اور اتباع سنت کا بیج بو چکے تھے اور اس کے صلہ میں وہ اور اُن کی جماعت قوم کی طرف سے (حسب رواج قدیم مقلدین) وہابی کا خطاب پا چکے تھے مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب مولانا شہید کے نہ صرف قرابت مند قریب سے تھے

بلکہ اُن کے ساتھ عقیدت وارادت بھی رکھتے تھے۔

میاں صاحب خود مولانا شہید رح کے وعظ میں شریک ہوکر اور اُن کی ارادت کو دل میں لے کر دہلی پہنچے تھے اور یہ حال مولانا محمد اسحٰق رح پر مخفی نہ ہوگا۔ بس مولانا کا سعادت مند شاگرد کو تعریفاً وہابی کہنا نہ صرف لیاقت وقابلیت کی لاجواب سند تھی بلکہ دین کی عظیم الشان خدمت کو انجام دینے اور اس ذریعہ سے لازوال شہرت اور بقاء دوام حاصل کرنے کے متعلق ایک قطعی پیشین گوئی تھی جو پوری ہوکر رہی وذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشآء۔ بالجملہ میاں صاحب نے علوم رسمیہ سے فراغ حاصل کرنے کے بعد ہمہ تن مولانا کے حلقہ درس کو لازم پکڑا اور بارہ تیرہ برس مسلسل مولانا کے حلقہ درس میں شریک رہ کر علوم دین میں مہارت تامہ حاصل کرتے رہے۔ ہرچند اس عرصہ میں مسجد اورنگ آبادی میں بطور خود درس بھی دیتے تھے مگر مستقل طور پر مسند درس وارشاد پر متمکن ہونے کا زمانہ مولانا شاہ محمد اسحٰق رح کی ہجرت کے بعد سے آغاز ہوتا ہے۔

پیشین گوئی

بارہ تیرہ برس مسلسل شاہ اسحٰق کے حلقہ درس میں رہنا

مولانا محمد اسحٰق رح نے ۱۲۵۸ھ ہجری میں ہجرت کی اور اُسی سنہ میں بوقت رخصت میاں صاحب کو اُن سے سند واجازت تحریری حاصل ہوئی جس کی مفصل کیفیت یہ ہے کہ مولانا شاہ محمد اسحٰق رح بقصد ہجرت جب دہلی سے چلے تو پہلی منزل آپ نے نظام الدین میں کی اور تین روز وہاں قیام فرمایا مشایعت کے لئے سیکڑوں آدمی دلی سے وہاں تک گئے مفتی صدر الدین خاں صاحب حضرات ثلثہ جناب شاہ عبدالعزیز، جناب شاہ عبدالقادر، اور جناب شاہ رفیع الدین قدس سرہم کے شاگرد تھے اور مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب کے بھی۔

شاہ اسحٰق صاحب کی ہجرت

نظام الدین میں اُنہوں نے سند کے لئے عرض کی جناب شاہ محمد اسحٰق رح نے کچھ جواب نہ دیا تب مفتی صاحب نے میاں صاحب سے اس واقعہ کو کہا اور کہا کہ تم شوخ ہو تم کہو۔ بعد نماز ظہر کے میاں صاحب نے عرض کی کہ حضور مفتی صاحب کو سند دے دیں پھر بھی مولانا نے کچھ جواب نہ دیا دوسرے روز صبح کے بعد پھر میاں صاحب نے عرض کی مفتی صاحب کی کم نصیبی ہے کہ حضرات ثلثہ سے سند نہ لی اب حضور بھی تشریف لے چلے اور سند نہ ملی اس پر مولانا رح نے

مفتی صدر الدین خاں کی سند

مفتی صاحب کی سند لکھ دی اور **میاں صاحب** سے فرمایا کہ تم نے بھی تو سند نہیں لی ہے تم بھی لے لو **میاں صاحب** نے عرض کی کہ حضور دعا کریں کہ مجھ کو آجاسے آجانے پر کسی سند کی ضرورت نہیں اور نہ آنے پر سند مفید نہیں۔ معہذا مولانا شاہ محمد اسحٰق رحمہ نے از خود سند لکھ کر آپ کے حوالہ کر دی اور مولانا کی تشریف لے جانے کے بعد مستقل مگر لا معلوم طور پر اُس کام میں مشغول ہو گئے جس کے واسطے خدا نے اُن کو پیدا کیا تھا۔

سند جو مولانا نے عنایت فرمائی اُس کے الفاظ نقل کر دیئے جاتے ہیں وھو ھذا

سند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین محمد والہ وصحبہ اجمعین۔ اما بعد فیقول العبد الضعیف محمد اسحٰق ان السید النجیب المولوی محمد نذیر حسین قد قراء علی اطرافًا من الصحاح الستۃ البخاری ومسلم وابی داؤد والجامع الترمذی والنسائی وابن ماجہ وشیئًا من کنز العمال والجامع الصغیر وغیرھا وسمع منی الاحادیث الکثیرۃ فعلیہ ان یشتغل بقراءۃ ھذہ الکتب ویدرس بھا لانہ اھلھا بالشروط المعتبرۃ عند اھل الحدیث وانی حصلت القراءۃ والسماعۃ والاجازۃ لھذہ الکتب من الشیخ الاجل الشیخ عبد العزیز المحدث الدھلوی وھو حصل القراءۃ والاجازۃ عن الشیخ ولی اللہ المحدث الدھلوی رحمۃ اللہ علیھما وباقی سندہ مکتوب عندہ۔ حرر فی ثانی شھر شوال ۱۲۵۸ھ الہجریۃ الحمد للہ اولًا واٰخرًا

محمد اسحاق ۱۲۵۲

شاہ اسحٰق صاحب کی شاگردی کا ثبوت اور معاندین کے انکار کی تردید

یہاں پر اس بات کا ذکر کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض معاندین نے **میاں صاحب** کے مولانا محمد اسحٰق رحمہ کے تلمذ سے انکار کیا ہے[عہ] اور یہ غلط فہمی تو اکثر

عہ مولانا علی احمد صاحب کا خط بنام مولانا حفیظ اللہ خاں صاحب دہلوی
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حامدًا ومصلیًا ومسلمًا از نیاز مند وفقیر درگاہ ایزد صمد علی احمد عفی عنہ سیاۃ وزیدت

لوگوں کو ہے کہ میاں صاحب نے بالاستیعاب متون ستہ کی تحصیل مولانا مرحوم سے نہیں کی سند کے الفاظ قرء علی اطرافا من الصحاح سے بھی بظاہر اس خیال کی تائید

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۵) حسنات۔ مولوی صاحب مستجمع محاسن و محامد مولوی حافظ حفیظ اللہ خاں صاحب ایدا اللہ تعالیٰ بروح القدس دو فقہ لما یحب و یرضیٰ بعد سلام مسنون و شوق ملاقات زحمت آیات مطالعہ فرمایند الحمد للہ تعالیٰ علی انضالہ کہ خیریت طرفین حاصل ست دریں ولا دریں جا زبانی آیندگاں از بلدہ لاہور کہ ہمراہ نواب معلیٰ القاب نواب محمد علی خاں صاحب بہادر سلمہ اللہ تعالیٰ وادوصلہ غایۃ ماتیمنی بذریعہ نوکری بآں طرف رفتہ بودند بدریافت رسیدہ و نیز از تحریر بعض محبان معلوم شدہ کہ بعض اہل علم و طلبہ را اشتباہے پیدا شدہ است دریں باب کہ مولوی صاحب مستجمع محامد و محاسن معدن علوم نافعہ مولوی سید محمد نذیر حسین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ را سند کتب احادیث شریفہ از مولانا استاذنا جامع مناقب والمفاخر حضرت مولانا محمد اسحٰق صاحب سقی اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ حاصل ست یا نہ بلکہ مولوی صاحب ممدوح سلمہ اللہ تعالیٰ بزیارت و خدمت و صحبت حضرت مولانا مبرور نیز مشرف شدہ اند یا نہ چوں رفع ایں ہر دو شبہ مستحسن و موجب رفع خلجان مسلمانان است لہٰذا نوشتہ می شود کہ سند کتب احادیث شریفہ عطا فرمودہ حضرت مولانا مغفور طاب مثواہ بدست مولوی صاحب ممدوح موجود است و حال زیارت و خدمت و صحبت بر اہل شاہجہان آباد خصوصاً آنانکہ در مجلس شادی کتخدائی مولوی صاحب ممدوح با صبیہ عفیفہ حضرت مولوی صاحب مخدومی مولوی عبدالخالق صاحب مرحوم و مغفور شریک بودند اظہر من الشمس ست کہ حضرت مولانا مبرور از نماز عشا تا نماز صبح مع جماعت کثیرہ از علما و اہل مدرسہ در مسجد قدیم پنجابی کٹرہ رونق افروز بودند و مجلسے عجیب بابرکت و میمنت ترتیب یافتہ بود و کاتب حروف نیز در آں مجلس حاضر بود و بالجملہ در آخر ۱۲۴۳ ہجری کاتب ایں حروف بدہلی رسیدہ بمسجد پنجابی کٹرہ مقیم شدہ بود و مولوی سید محمد نذیر حسین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ بعد یک سال یا چند ماہ زیادہ ازاں بہ شاہ جہان آباد تشریف آوردہ بمکان مفتی شجاع الدین علی خاں صاحب بمحلہ پایہ گراں بجانب شمالی مسجد جامع شاہ جہانی مقیم شدند بعد چند روز بمحلہ پنجابی کٹرہ بخدمت حضرت استاذی مولوی عبدالخالق صاحب طاب مثواہ مقیم شدند و تقریب شادی نکاح در آں جا گردیدہ و حاضر باشی مولوی سید محمد نذیر حسین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ بخدمت حضرت مولانا محمد اسحٰق صاحب سقی اللہ ثراہ بچشم خود دیدہ ام بلکہ مرا خوب یاد است کہ مولوی صاحب ممدوح و حاجی مزمل صاحب مرحوم کہ یکے از علمائے دیندار بودند و ایں فقیر در یک مسئلہ روبروئے حضرت مولانا مبرور مباحثہ می کردیم و حضرت مولانا استماع می فرمودند۔ و ازاں وقت یعنی ۱۲۴۴ ہجری غیبت مولوی صاحب موصوف تا الی الآن از دہلی صورت نگرفتہ مگر یک دو بار کہ بوطن مالوف خود تشریف بردہ بودند و حضرت مولانا مغفور در ۱۲۵۸ ہجری بطرف حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً و تعظیماً ہجرت فرمودند و دراں وقت ایں فقیر بہ ملک سندھ مقیم بود پس قریب پانزدہ سال حضرت مولانا مولوی صاحب ممدوح در دہلی بودند پس شبہ عدم رویت و زیارت وہم محض ست و مردم دہلی بخوبی ازیں حال آگاہ اند والسلام۔ مکرر آنکہ تا آخر ۱۲۵۸ ہجری ایں جانب نیز بہ شاہ جہاں آباد بود و حاضر باشی مولوی صاحب بخدمت مولانا صاحب می دید و باہ ذی الحجہ سنہ مذکور روانہ ملک سندھ گردیدہ والسلام۔

جناب موصوف کی طرف سے ایک اعلان آپ کے

ہوتی ہے مگر حقیقت یہ ہے (جیساکہ میاں صاحب نے خود اپنی یادداشت سابق الذکر میں تصریح کی ہے) کہ آپ کو مولانا کے حضور میں قرأت کا اتفاق کم ہوا لیکن سماعت حدیث اور حل رموز ونکات وغیرہ کا سلسلہ مولانا کے دہلی میں موجود رہنے تک برابر جاری رہا سند کے الفاظ وَسمع منی الاحادیث الکثیرہ اسی کی طرف اشارہ کر رہے ہیں اور سچ پوچھو تو قدماء محدثین کا طریقہ تدریس بھی یہی تھا کہ اُستاد کسی بلند مقام ممبر وغیرہ پر بیٹھ کر زبانی یا تحریری یادداشت سے روایت کرنا شروع کرتا اور حاضرین

قدماء محدثین کا طریقہ تعلیم و تدریس

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۶)

دست خاص کا لکھا ہوا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - حامداً ومصلیاً ومسلماً - اما بعد می گوید افقر عباد اللہ الصمد علی احمد عفی عنہ سیاٰت وزیدت حسناتہ کہ دریں ولا زبانی آیندگان از بلدہ لاہور بدریافت رسیدہ کہ درآں بلدہ واطراف وقرب جوار آں بعضے مسلماناں را اشتباہے پیدا شدہ است کہ مولوی صاحب مجمع محاسن وفضائل ومستجمع محامد و فواضل مولوی سید نذیر حسین صاحب متوطن حال بلدہ دہلی را شرف صحبت و دیدار و زیارت وسند کتب احادیث شریفہ از مولانا ومخدومنا حضرت مولانا محمد اسحٰق صاحب طاب مثواہ حاصل ہست یا نہ نظر بر ضرورت واستحسان رفع ایں اشتباہ موافق علم خودمی نویسم کہ صحبت و زیارت و حاضر باشی مولوی صاحب ممدوح بحضرت مولانا مبرور نور اللہ مرقدہٗ چوں شمس نصف النہار ظاہر وہویدا است کاتب الحروف با مولوی صاحب در بعض از اوقات روبروئے مولانا مبرور در بعض از مسائل مباحثہ نمودہ است وبروز نکاح مولوی صاحب موصوف حضرت مولانا ممدوح مع دیگر علماء دہلی از نماز عشا تا نماز صبح در مسجد قدیم پنجابی کٹرہ رونق افروز بودند وکاتب الحروف نیز حاضر بود ازیں حال اکثرے از سکنائے محلہ مذکور واقف وآگاہ خواہند بود۔ وعلاوہ بریں تخمیناً پانزدہ سال مولوی صاحب موصوف وحضرت مولانا در شہر دہلی بودند زیراکہ در آخر ۱۲۴۳ھ ہجری قدسی راقم الحروف بہ دہلی آمدہ وبعد ازاں تخمیناً یک نیم سال مولوی صاحب موصوف وارد دہلی شدند ودر ۱۲۵۰ھ ہجری کاتب الحروف روانہ ملک سندھ گردیدہ ومولوی صاحب موصوف را در دہلی گذاشت ودر ۱۲۵۸ھ ہجری حضرت مولانا مرحوم بہ حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً وتبجیلاً ہجرت فرمودند ومولوی صاحب ممدوح ہنوز در دہلی اند پس اشتباہ عدم صحبت وزیارت بے اصل محض است واما اشتباہ اسناد کتب احادیث پس چوں اسناد ودستخطی حضرت مولانا ممدوح بدست مولوی صاحب موجود است محل اشتباہ دریں امر نیز باقی نماندہ اللہ تعالیٰ مسلماناں را از جملہ بلاہا محفوظ دارد۔

المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ ؎ گر خدا خواہد کہ پردہ کس درد میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

اللھم احفظنا من کل بلاء اللھم اغفر لی وللمومنین والمومنات والمسلمین والمسلمات والف بین قلوبنا واصلح ذات بیننا وانصرنا علی عدوک وعدونا یا ارحم الراحمین یا خیر الناصرین

محررہ پانزدہم ربیع الاول ۱۲۹۶ھ ہجری قدسی

۱۲۷۱
علی احمد

استاد کے بیان کو ساتھ ساتھ قلمبند کرتے جاتے اور آئندہ اسی یادداشت سے حفظ روایت کرتے پس میاں صاحب کا اپنے شیخ کی مجلس درس میں حاضر ہو کر بذریعہ سماعت کے علم حاصل کرنا ٹھیک ٹھیک طریقہ محدثین کے موافق تھا۔

اگرچہ یہ جواب مخالفین کے مقابلہ میں بالکل کافی اور مُسکت ہے مگر میاں صاحب کے سامنے جب اہل عناد کی اس جرح کا تذکرہ آتا تو وہ بجائے سند کے الفاظ کی تشریح کرنے یا سند کو بہ حیثیت دلیل تلمذ پیش کرنے کے یہ فرماتے "سنو صاحب میں سند ونید نہیں جانتا یہ دیکھو کہ مجھے پڑھانا آتا ہے یا نہیں" ایک روز مولوی احمد علی صاحب مرحوم سہارن پوری کو میاں صاحب نے خطاب کرکے فرمایا میں چپڑاس نہیں دکھاتا ہوں تم بیٹھو میں صحاح پڑھاتا ہوں دیکھو روش محدثانہ رکھتا ہوں یا نہیں۔ اکثر ایسے موقع پر شوخی طبع سے سند کو چپڑاس کے لفظ سے تعبیر کرتے اور اپنے حق میں مشہور مصرع ضرب المثل ع ہر کہ شمشیر زند سکہ بنامش خوانند، سے تمثیل کرتے۔

مولوی احمد علی صاحب سہارنپوری کا واقعہ

بہ ظاہر میاں صاحب کا یہ جواب معمولی اور عامیانہ جواب معلوم ہوتا ہے مگر غور سے دیکھا جائے تو اِن سادے لفظوں میں بھی طبیعت کا اصلی رنگ اپنا جوہر دکھا رہا ہے۔

دوسرا واقعہ مولوی احمد علی صاحب مرحوم کے ساتھ یہ ہوا کہ وہ ایک دن درس کے وقت پہنچے میاں صاحب نے مولوی شریف حسین مرحوم کو کنایۃً کہا کہ جاکر اُن کی سند لے آئیں اور شاگردوں سے کہا چلو صاحب چلو میں بکریاں نہیں چراتا اونٹ چراتا ہوں۔ اس کے بعد مولوی صاحب موصوف کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا میں نے سنا ہے تم کہتے ہو کہ میں نے مولوی محمد اسحٰق صاحب سے نہیں پڑھا ہے؟ مولوی صاحب نے جواب میں کہا کہ میں جب پہلی بار اپنے والد کے ساتھ دہلی آیا تھا اُس وقت آپ نے شرح ملّا شروع کی تھی جس کی مٹھائی میں نے بھی کھائی تھی۔ میاں صاحب نے پوچھا پھر تم کتنے دنوں بعد دلی آئے؟ مولوی صاحب نے کہا بارہ برس بعد میاں صاحب نے فرمایا کہ تب تم مجھ کو پڑھتے ہوئے کیا دیکھنے سو تو اُس وقت صحاح کا درس دے چکا تھا پھر کہا اچھا یہ تو بتاؤ؟ تم کو

مولوی احمد علی صاحب سے سوال وجواب

مولانا محمد اسحٰق صاحب کا شاگرد کس نے بنوایا مولوی صاحب نے کہا آپ سے نے (بات یہ تھی کہ مولوی احمد علی صاحب دہلی حدیث پڑھنے کو آئے اُس وقت مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب بقصد ہجرت روانہ ہونے والے تھے تب مولوی احمد علی صاحب نے چاہا کہ مولوی کرم اللہ صاحب سے صحاح پڑھیں میاں صاحب نے اُن کو مشورہ دیا کہ اگر صحاح پڑھنا ہے تو مولانا محمد اسحٰق صاحب کے ساتھ مکہ چلے جاؤ حج بھی کر لوگے اور صحاح بھی ایک اُستاد کامل سے ہو جائیگی چنانچہ مولوی صاحب موصوف سے نے ایسا ہی کیا) میاں صاحب نے کہا پھر یہ بات کیا قرین عقل ہے ؟ کہ میں تم کو تو مشورہ دے کر شاگرد بنواؤں اور خود اُن سے نہ پڑھوں۔ اس کے بعد میاں صاحب نے پوچھا کہ تم شاہ محمد اسحٰق صاحب کا حرف پہچانتے ہو ؟ اُنھوں نے کہا کہ خوب پہچانتا ہوں میاں صاحب نے اپنی سند سامنے رکھ دی اور کہا کہ کہو یہ کس کا حرف ہے ؟ اُنھوں نے کہا کہ شاہ محمد اسحٰق صاحب کا پھر پوچھا کہ مہر کس کی ہے مولوی احمد علی صاحب مرحوم نے کہا شاہ محمد اسحٰق صاحب کی۔

سند پر مدار علم نہیں

بات یہ ہے کہ جب تک علم حدیث کا مدار زبانی روایت پر تھا اس بات کی ضرورت تھی کہ روایت کرنے والا اپنے اُستاد سے راوی اوّل تک سلسلہ وار درمیانی راویوں کا نام بتا دے تاکہ اصول جرح و تعدیل کے موافق ہر راوی کی جانچ کرنے کے بعد روایت قابل قبول یا رد قرار دی جائے۔ اور اسی سلسلہ روایت کا نام سند ہے مگر اب کہ محدثین اولین شکر اللہ مساعیہم کی محنت و کوشش سے تمام زبانی اور منتشر روائتیں صحاح و سنن و معاجم و مسانید وغیرہ دواوین اسلام میں جمع و محفوظ اور باعتبار مختلف مدارج صحت و ضعف وغیرہ کے ایک دوسرے سے ممیز و ممتاز کر دی گئیں

فن اسماء الرجال

بلکہ محققین و مجتہدین کے لئے حدیث کے حالات میں اسماء الرجال کا ایک خاص فن ہی مدون ہو گیا اور متاخرین نے شروح و حواشی اور تعلیقات کے ذریعہ سے ایک ایک مبہم اور مجمل لفظ اور مشتبہ و مختلف فیہ یا متناقض روایتوں کے متعلق معلومات کا

علم حدیث کے متعلق معلومات کا ذخیرہ

بے انتہا ذخیرہ مہیا کر کے علم حدیث کو اس قدر سہل اور آسان کر دیا ہے کہ ایک ذہین اور بااستعداد شخص اپنی قابلیت و محنت سے صرف کتابوں کے ذریعہ اس علم میں مہارت تامہ حاصل کر لے سکتا ہے اِس صورت میں سند اور اجازت کو علم کا معیار ٹھیرانا بڑی غلطی ہے۔

تعدد شیوخ کی ہوس نہ تھی

میاں صاحب کے جواب مذکورہ بالا میں اسی نکتہ کی طرف اشارہ ہے اور راقم کے نزدیک یہی خیال ہے جس نے میاں صاحب کو صرف ایک شیخ الحدیث پر قانع اور تعدد شیوخ کی ہوس سے بے پروا رکھا۔

طالب علمی کے احباب، زمانہ تحصیل کے ہم سبق طلبہ اور اُن کے ساتھ باہمی برتاؤ

مولوی امداد علی سورج گڈھی مولوی زین العابدین

مولوی امداد علی مرحوم سورج گڈھی تو آپ کے رفیق وطن ہی سے تھے ان کے علاوہ معلوم ہوتا ہے کہ الہ آباد میں مولوی زین العابدین سے بڑی دوستی تھی کیوں کہ مولوی سید عبدالعزیز صمدنی کو ایک خط میں لکھتے ہیں "از تحریر ایشاں بوضوح پیوست کہ بہ ضلع الہ آباد رسیدند خوب شد لب جمن مسجد سےست کہ بہ ایام طلب علم چندے بسر کردہ ام دراں جا از مولوی زین العابدین صاحب مرحوم و مغفور صحبت درس و تدریس گرم می بود و از چند اصحاب دو از ہم جلسہ مذاکرہ بانتہا کشیدہ بود"

مفتی اسد اللہ

اسی خط میں مفتی اسد اللہ کے حالات بھی دریافت فرمائے ہیں کہ وہ کہاں ہیں یہی مولوی سید عبدالعزیز اپنے حالات میں لکھتے ہیں کہ" میں جب دہلی جاتا اور الہ آباد کے ضلع میں تحصیلدار تھا تو ہمیشہ یہ فرماتے کہ "بھئی تمھارے آنے سے مولوی زین العابدین مرحوم یاد آجاتے ہیں اور اپنی طالب علمی کے مزے اُس وقت سب سامنے ہو جاتے ہیں۔ جس کو ساٹھ ستر برس کا زمانہ ہوا"

مولوی رحمۃ اللہ بیگ مولوی عبد اللہ سندھی وغیرہ دہلی کے ہم سبق طلبہ

دہلی میں مولانا عبدالخالق صاحب اور مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب رحمۃ اللہ علیہما سے تحصیل علم کے وقت مولوی رحمت اللہ بیگ، مولوی عبداللہ سندھی، مولوی محمد گل کابلی، مولوی نور علی متوطن سسراون، حافظ محمد فاضل سورتی، حافظ حاجی محمد مرحوم صحیح بخاری و مسلم میں ہم سبق تھے۔

ہدایہ کے سبق میں نواب قطب الدین خان مرحوم، مولوی بہاء الدین دکھنی، مولوی صفۃ اللہ والد ماجد قاضی محفوظ اللہ پانی پتی مولوی قاری حافظ کرم اللہ شریک تھے اور نواب صاحب مرحوم سے دوستی بہت بڑھ گئی تھی۔ چنانچہ میاں صاحب

خود اپنی یادداشت میں لکھتے ہیں "واز شریک شدن در ھل ایہ از جناب مولوی صاحب مرحوم (نواب قطب الدین خاں) سلسلہ محبت وارتباط وانبساط روز بروز دراز گردید"

مولوی محمد ابراہیم نگرنہسوی

مولوی محمد ابراہیم مرحوم نگرنہسوی عظیم آبادی کے ساتھ بھی دوسری بار آپ نے پوری صحیح بخاری سماعتاً پڑھی اور کسی قدر تفسیر بیضاوی بھی قاری عبدالرحمٰن صاحب مرحوم پانی پتی بھی بعض موقع کے ساتھی تھے اور باہم ربط تھا ایک دن کسی موقع پر شاہ محمد اسحٰق صاحب نے پوچھا کہ اذا مفاجات کے لئے آتا ہے یا نہیں ؟ کسی طالب علم نے جواب دیا کہ نہیں ناگاہ قاری صاحب بول اُٹھے اذ مفاجات کے لئے آتا ہے میاں صاحب نے بے ساختہ مذاقاً کہہ دیا۔ یک نہ شد دو شد۔ قاری صاحب شدید الغیظ آدمی تو تھے ہی اُس وقت سے جو میاں صاحب سے کشیدہ ہوئے تو مدتوں صاف نہ ہوئے۔ قرینہ ہے کہ قاری صاحب کے ساتھ اس قسم کا مذاق طلبہ عمداً بھی کرتے ہونگے جس طرح چڑنے والوں کو لوگ اسی لئے چڑاتے ہیں کہ وہ گالی دے۔

تیسری بار صحیح بخاری پڑھنا ایک بار مولانا عبدالخالق سے اور دو بار مولانا شاہ اسحٰق صاحب سے

قاری عبدالرحمٰن پانی پتی کے ساتھ مذاق

ہم سبق لوگوں میں کیا درجہ تھا

مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب رح جب استفتا کا جواب تحریر فرماتے تو لکھ کر طلبہ کے حوالہ کر دیتے جس سے شاگردوں کی تعلیم مقصود ہوتی۔

استفتا

ایک استفتا کا سوال یہ تھا کہ کسی نے چار آنے پیسے کسی سے قرض لئے اُس وقت نرخ پیسے کا بیس گنڈہ تھا چار آنے کے بیس پیسے ملے اب ادائے قرض کے وقت پیسے کا نرخ پچیس گنڈہ ہے دائن کو بیس پیسے دیئے جائیں گے کہ پچیس۔ شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے جواب لکھا کہ جتنے پیسے لئے تھے اُتنے ہی ادا کئے جائیں گے یعنی بیس پیسے۔

جواب

جواب پر نظر

شاگردوں نے فتوی کو پڑھ لیا جب میاں صاحب نے پڑھا تو عرض کیا کہ حضور پچیس پیسے ادا کئے جائیں گے جو نرخ پیسے کا ادا کے وقت ہے پوچھا کیوں ؟ عرض کیا پیسوں کی ثمنیت خلقی نہیں ہے بلکہ جعلی ہے مگر جناب شاہ صاحب

نے اِس پر خیال نہیں فرمایا **میاں صاحب** نے بھی اُس فتوے پر دستخط نہیں کیا۔ اُستاد کی مخالفت پر لوگ متحیر ہوئے اور چھ مہینے تک اِس مخالفت کا چرچا دہلی میں ہوتا رہا چھ مہینے کے بعد جب کتاب طوالع الانوار مکہ معظمہ سے آئی تو **میاں صاحب** یہ جزئی اُس کتاب میں نکال کر شاہ صاحب کے حضور میں لے گئے اور پیش کر کے عرض کیا کہ اب حضور اُس فتوے کو منگا کر قلم زد کریں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

چھ مہینے کے بعد فیصلہ

میاں صاحب فرماتے تھے کہ جب تک طوالع الانوار آئی نہیں تھی میں دہلی میں مُنہ دکھانے کے قابل نہیں تھا جدھر نکلتا اُنگلیاں اُٹھتیں کہ یہی ہے۔

شاہ محمد اسحٰق صاحب کا اقتدا

ایک روز مولانا شاہ محمد اسحٰق رح کے حلقہ درس میں ترمذی کا سبق ہو رہا تھا اِس سبق میں ایک جگہ لفظ کان محذوف تھا شاہ محمد اسحٰق رح نے شاگردوں سے پوچھا کہ کان کہاں کہاں حذف ہوتا ہے۔

حذف کان کی تحقیق

میاں صاحب نے بجائے اُن چار جگہوں کے جہاں نحوی لوگ عموماً حذف کان کا بیان کرتے ہیں۔ اور معمولی درسی کتب متون و شروح میں اُنہیں مواضع اربعہ پر کفایت کرتے ہیں چھ مواضع میں کان کا حذف ہونا بیان کیا اور گِن کر بتا دیا کہ فلاں محل میں بھی کان محذوف ہوتا ہے اور فلاں مقام میں بھی مگر نحاۃ اُن دو کا ذکر نہیں کرتے چنانچہ جناب شاہ محمد اسحٰق علیہ الرحمۃ نے بھی اِس کی تصویب اور تصدیق کی۔

باب سوم

یکم محرم ۱۲۵۹ھ مطابق ۲۔ فروری ۱۸۴۳ء سے ذی الحجہ ۱۳۰۰ھ مطابق ستمبر ۱۸۸۳ء (چھیالیس ۴۶ برس) کے واقعات

مسند درس پر متمکن ہونا، تفسیر حدیث فقہ پر عبور، مطالعہ اور وسعت نظر، درس، وعظ، اراکین قلعہ سے تعلق، گورنمنٹ انگلشیہ کے ساتھ وفاداری، راولپنڈی کی نظر بندی، اہلیہ کی وفات، شمس العلما کا خطاب، سفر حج، مختلف اقطار عالم میں اقتدار، مولانا سید

شریعت حسین صاحب مرحوم کی وفات،

جس وقت جناب مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب قدس اللہ سرہ العزیز نے شوال ۱۲۵۸ھ ہجری میں ہندوستان سے ہجرت کی۔ دہلی میں متعدد نامور علما (جس میں سے اکثر جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رح کے نہ صرف تلمیذ و تربیت یافتہ بلکہ درس و تدریس میں مشغول تھے اور باوجود اعلیٰ درجہ کا فضل و کمال رکھنے کے غایت عقیدت مندی کے ساتھ جناب شاہ صاحب کی خدمت کے ہمہ آن ملازم اور سالہا سالے دراز تک اُن کے کلمات طیبات سے استفادہ کرنے والے اور اُن کے خرمن فیض کے خوشہ چیں رہ چکے تھے) موجود تھے خود جناب شاہ صاحب کے بھتیجے مولوی مخصوص اللہ مرحوم (مولانا شاہ رفیع الدین کے صاحبزادے) جو پچیس برس تک اپنے حقیقی چچا مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے حلقہ درس میں شریک اور عرصہ دراز تک خود بھی درس دیتے رہے تھے اور اُن کے چھوٹے بھائی مولوی محمد موسیٰ اُس وقت تک حی القائم موجود تھے علاوہ اُن کے مولانا شاہ عبدالعزیز اور نیز مولانا شاہ محمد اسحٰق علیہما الرحمۃ کے مشاہیر تلامذہ دہلی اور مختلف بلاد اطراف ہند میں پھیلے ہوئے وعظ و ارشاد و درس و افتاء وغیرہ خدمات دین کو انجام دے رہے تھے۔ بلکہ بعض بعض صاحب سجادہ و طریقہ بھی تھے جس کی وجہ سے اُن کا مرجع خلایق ہو جانا زیادہ قرین قیاس تھا مگر یہ بات کچھ کم حیرت انگیز نہیں ہے کہ مولانا کا واقعی اور حقیقی جانشین اور مولانا شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز علیہما الرحمۃ کے مسند درس کا مالک باوجود بے انتہا مخالفت اور مزاحمت کے مولوی سید **محمد نذیر حسین** کے سوا اور کوئی نہ ہوسکا یہاں تک کہ **میاں صاحب** کا لقب جو مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کے خاندان کے واسطے مخصوص تھا اور بسلسلۂ جانشینی منتقل ہوتا ہوا مولانا شاہ محمد اسحٰق رح تک پہنچا تھا وہ مولانا کے بعد **مولوی نذیر حسین** کے ساتھ اس طرح چسپاں ہوا کہ اب **میاں صاحب** اور مولوی **نذیر حسین** گویا دو مترادف لفظ ہوگئے۔

علم حدیث تو **میاں صاحب** کا خاص فن تھا جس کو ہندوستان میں شائع کرنا حکیم مطلق نے **آپ** کی ذات بابرکات کے ساتھ وابستہ کر رکھا تھا۔ اور فی الواقع اس علم شریف کی ترویج چار دانگ ہندوستان میں جیسی کچھ **آپ** کے ذریعہ سے

شاہ اسحٰق صاحب کی ہجرت کے وقت بڑے بڑے با اثر تلامذہ دہلی اور ہندوستان میں موجود تھے

مولوی مخصوص اللہ اور مولوی محمد موسیٰ جناب شاہ عبدالعزیز صاحب کے بھتیجوں کا ذکر۔

مولانا شاہ ولی اللہ و شاہ عبدالعزیز کا جانشین میاں صاحب کے سوا کوئی نہ ہوسکا۔

میاں صاحب کا لقب

علم حدیث آپ کا خاص فن تھا

ہوئی فردِ واحد کی کوشش اس سے زیادہ نہیں کر سکتی چنانچہ کبھی کبھی جوش میں آکر خود بھی فرما دیا کرتے تھے کہ میں نے صحاح ستہ کو گلستاں بوستاں کر دیا۔ یہ بات بلا مبالغہ کہی جا سکتی ہے کہ اس مقدس علم کا شیوع جیسا کہ **میاں صاحب** کی ذات سے ہوا اُس کی نظیر قرونِ ماسبق میں بھی آسانی سے نہیں مل سکتی۔ مولوی عزیز احمد صاحب اپنی یادداشت میں لکھتے ہیں "میں نے خود کئی بار **حضرت** سے پوچھا کہ صحاح اور خصوصاً صحیح بخاری **حضور** نے کے مرتبے درس دی ہوگی۔ ارشاد فرمایا کہ کیا شمار بتاؤں اللہ کو علم ہے۔ میری یاد صحیح ہے تو کئی سو بار پڑھائی ہوگی۔ مگر اسی کے ساتھ جو لوگ تھوڑے دن بھی **آپ** کی خدمت میں حاضر اور **آپ** کے درس و ارشاد سے بلا واسطہ فیض یاب ہوئے ہیں اُن پر پوشیدہ نہیں ہے کہ فنونِ متداولہ درسیہ میں کوئی فن ایسا نہیں تھا جس میں **آپ** استعداد کامل نہ رکھتے ہوں خصوصاً فقہ حنفی پر اس قدر کامل عبور تھا کہ اُس زمانہ میں بھی جب کہ خود جوان تھے اور مدینۃ العلم دہلی میں ایک سے ایک بڑھ کر کامل الفن موجود تھے۔ علم فقہ میں عدیم النظیر سمجھے جاتے تھے جیسا کہ سید احمد خان مرحوم نے اپنی کتاب آثار الصنادید میں **میاں صاحب** کا تذکرہ کرتے ہوئے خصوصیت کے ساتھ اس کی تصریح کی ہے۔

صحاح ستہ اور خصوصاً صحیح بخاری کئی سو بار پڑھائی

فنون متداولہ میں استعداد کامل

فقہ حنفی پر عبور

خود **میاں صاحب** فرماتے تھے کہ فتاویٰ عالمگیری جیسی ضخیم اور مبسوط کتاب تین مرتبہ من اولہ الی آخرہ لفظاً لفظاً حرفاً حرفاً مطالعہ سے گذری ہے۔ اور مختلف مقامات سے بلا ترتیب دیکھنے پڑھنے کا تو کوئی شمار نہیں کثرت مزاولت کی وجہ سے کتاب مذکور کے جزئیات پر اس قدر احاطہ ہو گیا تھا کہ گویا ساری کتاب ازبر محفوظ تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مولوی شرف الدین مرحوم مفتی ریاست رام پور (جو کہ مرد ذی علم اور سن رسیدہ تھے اور غایت بد دماغی سے مولانا شاہ عبد العزیزؒ کے ساتھ دعویٰ ہم عصری رکھتے تھے) دہلی آئے اور اولاً صدر بازار میں پنجابیوں کے مہمان ہوئے شہرہ تو تھا ہی **میاں صاحب** بھی ملاقات کو تشریف لے گئے۔ عند التذکرہ **میاں صاحب** نے پوچھا کہ جناب کو آج کل کیا شغل ہے کہنے لگے کہ نواب نے تفسیر جلالین کے ترجمہ کی فرمائش کی ہے وہی لکھ رہا ہوں مگر بے چارے دونوں جلالو تو بالکل بھولے بھالے تھے اُن کو کچھ آتا جاتا نہیں۔

جزئیات فتاوے عالمگیری پر حافظہ کی قدرت

مفتی شرف الدین صاحب سے ملاقات اور سوال و جواب

میاں صاحب کا سوال

مفتی صاحب کا سکوت

اس لئے مجھ کو بہت بنانا پڑتا ہے میاں صاحب نے پوچھا کہ یُوْرَثُ کَلَالَۃً میں عہ یُوْرَثُ وَرِثَ یَرِثُ سے مشتق ہے یا اُوْرِثَ یُوْرِثُ سے۔ مفتی صاحب ساکت رہے میاں صاحب نے اسی سے اندازہ کر لیا بعدہ مفتی صدر الدین خاں مرحوم کے ہاں مہمان ہوئے شہر میں مفتی رام پور کے علم و فضل کی دھوم تو مچی ہوئی تھی ہی میاں صاحب بہ تقریب دعوت وہاں بھی پہنچے مفتی صدر الدین خان مرحوم (جو کہ میاں صاحب کے ساتھ رسم دوستانہ رکھتے تھے) نے شوخی کی ادا میں میاں صاحب کی تعریف اس عنوان سے کی کہ " یہ جوان بڑا وہابی ہے اس کے سامنے حضور کوئی مسئلہ نہ بیان فرماویں مسئلہ کہنا ہو تو جمنا پار جا کر فرمائیے گا

مفتی شرف الدین کا سوال

میاں صاحب کا جواب

اس پر مفتی رام پور نے میاں صاحب کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ تم کو فقہ آتی ہے انہوں نے جواب دیا کہ میں کیا جانوں صاحب آپ پوچھیں۔ مفتی موصوف نے سوال کیا کہ وضو میں کے فرض ہیں میاں صاحب نے کہا معلوم ہوا آپ وہی اعتراض کریں گے جو پہلے ملا فروخ مکی نے کیا ہے اور اسی کو بحر الرائق میں لکھا ہے اسی کو نہر الفائق میں نقل کیا ہے ایسے اعتراض کے جواب دلی کے بھٹیاروں کے لونڈے پیڑا بناتے جاتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں کوئی بڑی بات پوچھی ہوتی۔

اجیر و مستاجر کے درمیان دانے چارے کا مسئلہ

مفتی صاحب کا جواب

اتنے میں کسی نے آکر مسئلہ پوچھا کہ پانی پت جانے کے لئے اونٹ گاڑی کرایہ کی ہے کرایہ کی صفائی ہو گئی ہے مگر دانے چارے کی صفائی نہیں ہوئی کہ کون دے گا اجیر یا مستاجر یہ اجارہ شرعاً درست ہے یا نہیں مفتی رام پور نے جواب دیا درست ہے مفتی صاحب کے اس جواب پر میاں صاحب نے پوچھا کہاں لکھا ہے مفتی صاحب نے فتاویٰ عالمگیری کا حوالہ دیا۔

میاں صاحب نے فرمایا کہ عالمگیری مطبوعہ کلکتہ و دہلی میں تو لا یجوز لکھا ہے عہ

عہ قال صاحب الجمل یورث بفتح الراء من ورث اے ماخوذ من ورث المجرد المبنی للمجہول لا من المزید لان المیت یکون موروثا لا مورثا اسم مفعول فکل من المیت والمال موروث الخ کرخی ۱۲

عہ کتاب الاجارہ الفصل الثانی فیما یفسد العقد فیہ لمکان الشرط - رجل استاجر عبداً کل شہر بکذا علی ان یکون طعامہ علی المستاجر او دابۃ علی ان یکون علفہا علی المستاجر ذکر فی الکتاب انہ لا یجوز وکل اجارۃ فیہا رزق او علف فہی فاسدۃ الا فی استجارہ الظئر اھ۔ عالمگیری جلد ثالث مطبوعہ نولکشور صفحہ ۱۱۲۸

جواب کی تغلیط

آپ نے شاید کوئی قلمی نسخہ دیکھا ہوگا جس میں کاتب کی غلطی سے لا چھوٹ گیا ہوگا

فتاویٰ عالمگیری کی نسبت میاں صاحب کا دعویٰ

اور اگر آپ کو یہ خیال ہو کہ عالمگیری بڑی مبسوط کتاب ہے اُس کی جزئیات کو کون احاطہ کر سکتا ہے تو آپ جہاں سے چاہیں سوال کریں صفحۃً صفحۃً ورقۃً ورقۃً عبارت سنادوں گا پھر میاں صاحب نے پوچھا کہ شوہر بی بی کی لاش کو ہاتھ لگا سکتا ہے غسل دے سکتا اور تجہیز و تکفین کر سکتا ہے کہ نہیں؟ مفتی صاحب نے کہا نہیں

میاں صاحب کا سوال مفتی رامپور کا جواب اور پھر اُس پر اعتراض اور سکوت

میاں صاحب نے کہا دلیل؟ مفتی صاحب نے کہا بعد موت کے نکاح فسخ ہوگیا تب میاں صاحب نے کہا کہ حضرت علیؓ نے کیوں کر جناب سیدہؓ کو غسل دیا اور تجہیز تکفین کی مفتی صاحب ساکت ہوگئے۔

فقہ حنفی پر عبور کی مثال

مولوی حافظ محمد بن بارک اللہ لکھو کی پنجابی نے ایک موقع پر کسی مسئلہ حنفیہ کے بیان میں میاں صاحب کے سامنے فقہ حنفی کی چودہ کتابوں کا حوالہ دیا۔

چالیس کتابوں کا حوالہ

میاں صاحب نے چالیس کتابوں کے نام بتلائے جن میں مسئلہ زیر بحث مذکور تھا اور وہ سب اُن کی نظر سے گذر چکی تھیں۔

ایضاً دوسری مثال

حافظ عبدالمنان وزیر آبادی روایت کرتے ہیں کہ ایک دن صحیح بخاری کے سبق کتاب الاکراہ میں "قال بعض الناس" آیا امام بخاری نے کتاب جامع صحیح میں التزام کیا ہے کہ بہ لفظ "قال بعض الناس" امام ابوحنیفہ کے مذہب کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور صرف بہ نظر تردید نقل کرتے ہیں۔

علامہ عینی کی تردید

علامہ عینی شارح صحیح بخاری حنفی المذہب جو اپنے مذہب کے سرگرم حامی ہیں۔ صحیح بخاری کے ہر ایسے مقام پر بقدر امکان وہ اپنے مذہب کی تائید کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھتے اِس موقع پر جواباً اُنہوں نے یہ لکھا کہ سرے سے یہ ہم لوگوں کا مذہب ہی نہیں ہے میاں صاحب اثنار سبق میں اُٹھ کر مکان تشریف لے گئے اور نو

نو کتابوں کا حوالہ

جلد قلمی کتابیں ایک گٹھری میں باندھے اُٹھا لائے اور اتنے معتبر حوالوں سے ثابت کیا کہ حنفی مذہب کا وہی مسئلہ ہے جو امام بخاری نے لکھا ہے اور عینی کو خود اپنے مذہب کی خبر نہیں۔

تیسری مثال

اسی طرح ایک دن صحیح بخاری کے سبق میں کسی موقع پر مولوی احمد علی مرحوم سہارن پوری کے حاشیہ کی عبارت پڑھی گئی کہ "خبروا حد سے عموم قرآن کی

دعویٰ کے خلاف پچیس سندیں حنفی مذہب کی

تخصیص جائز نہیں میاں صاحب نے برجستہ پچیس[25] موقع گن کر بتلا دیئے کہ وہاں ائمۂ احناف نے خبرِ واحد سے عموم قرآن کی تخصیص کی ہے۔ حالاں کہ فتح الباری وغیرہ شروح بخاری میں دس بارہ[12] جگہ سے زیادہ مذکور نہیں ہے۔

نکتہ رسی

چوتھی مثال

مولوی علیم الدین حسین صاحب مرحوم کے مکان واقع عظیم آباد میں آپ فرود تھے ایک دن ایک فتوے پیش کیا گیا۔ جس کا جواب مولوی عبدالحی صاحب مرحوم لکھنوی نے لکھا تھا۔

سوال

مسجد کے نیچے تہ خانے کرایہ کی دکانیں مصارف مسجد کے لئے بنانا جائز ہے یا نہیں

جواب

مولوی عبدالحی مرحوم لکھنوی کا جواب

جائز ہے۔ سند میں کتب فقہ کی عبارتیں جو نقل کی گئی تھیں اُن کا ماحصل یہ تھا کہ مسجد کے نیچے تہ خانہ بنانا مصالح مسجد کے لئے جائز ہے۔

علمائے حاضرین سے خطاب

سوال و جواب کو سُن کر میاں صاحب نے علماء حاضرین کی طرف خطاب کرکے فرمایا کیوں صاحب آپ لوگ کیا کہتے ہو؟ سب نے عرض کی کہ جواب تو ٹھیک ہے آخر میں خود فرمانے لگے کہ سوال میں مصارف کا لفظ ہے اور جواب میں مصالح یہ تو خیال کیا ہوتا کہ کیا؟ مصارف و مصالح دونوں ایک چیز ہیں۔ مصالح یہ ہیں

مصارف اور مصالح میں امتیاز

کہ مسجد کی ضرورتوں کی چیزیں بوریا۔ ڈول۔ دری وغیرہ متعلقہ مسجد اُس میں رکھی جائیں نہ کہ اُس میں دوکان ہو اور دنیاوی مشغلے وہاں ہوتے رہیں پھر پوچھا کہ عالمگیری[ع] سے معلوم ہوا کہ نہیں۔

پانچویں مثال

ایک آدمی نے اپنے خسر پر نالش دائر کی کہ اُس کی زوجہ اس سے دلا دی جائے خسر نے جواب دیا کہ یہ اپنی بیوی کو فلاں تاریخ میں طلاق دے چکا ہے دو گواہوں

ع کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد و ما یتعلق بہ ولو کان السرداب لمصالح المسجد جاز کما فی مسجد بیت المقدس کذا فی الهدایة واذا اراد انسان ان یتخذ تحت المسجد حوانیت غلة لمرمة المسجد او فوقہ لیس لہ ذلک کذا فی ذخیرة اہ ۱۲ عالمگیری جلد ثانی صفحہ ۱۰۳ مطبوعہ نولکشور

نے بھی شہادت دی کہ میرے سامنے اُس نے اپنی زوجہ کو فلاں تاریخ میں طلاق دی ہے مدعی نے اُس کی تردید میں کہا کہ جس تاریخ میں طلاق دینا بیان کیا جاتا ہے اُس کے بعد اُس کے خُسر نے ایک مجمع عام میں اپنی بیٹی کے رخصت کر دینے کا اقرار اور وعدہ واثق کیا ہے۔

ایک استفتاء

مولویوں نے (جو اِس مقدمہ میں جج قرار دئے گئے تھے) فتویٰ دیا۔ چوں کہ خُسر کے بیان میں تناقض فی الدعویٰ ہے لہٰذا اُس کا قول باطل ہے رخصتی کی ڈگری دی جائے۔

مشاہیر علما کا جواب

یہ فیصلہ جب کہ **میاں صاحب** کے ہائی کورٹ میں پہنچا تو سوال و جواب کو سن کر پوچھا کہ کس کس نے اس پر دستخط کیا ہے معلوم ہوا کہ مفتی سعد اللہ، مولوی محمد قاسم، مولوی احمد علی سہارن پوری اور مشاہیر علمائے دیوبند کے دستخط ہیں۔ **میاں صاحب** نے فرمایا کہ سب نے رجماً بالغیب دستخط کیا ہے اتنا خیال نہیں کیا کہ طلاق حق اللہ ہے جس میں مدعی اور گواہ مساوی درجہ رکھتے ہیں اُس کے خسر کے دعوی میں اگر تناقض ہے تو اُن دونوں گواہوں کے بیان کا جواب کیا ہے اُن پر تو خود فرض تھا کہ وہ اظہار کریں پھر کتاب[عہ] منگوا کر اس جزئی کو اُس میں بھی دکھا دیا۔

چھٹی مثال

حکیم ظہور الحسن صاحب مرحوم آروی نے ایک سال گرمیوں میں یہ انتظام کیا کہ زیادہ برف منگواتے اور بقدر اپنی ضرورت کے رکھ کر بقیہ کو بیچ ڈالتے اِس طرح اُن کو اپنی ضرورت کے لئے برف بلا قیمت مل جاتی۔ آرہ کے تاجر برف نے حکیم صاحب سے کہا کہ آپ کے اس انتظام کے سبب سے ہم کو تجارت برف میں نقصان ہوتا ہے آپ کو جس قدر برف کی ضرورت ہو مجھ سے لے لیجئے اور برف کی تجارت کو موقوف کیجئے۔ حکیم صاحب (چوں کہ آدمی تھے متشرع) نے بعض علما سے اس معاملہ کی نسبت پوچھا اُنہوں نے کہا کہ جائز ہے اُنہیں دنوں **میاں صاحب** آرہ میں تشریف لائے حکیم صاحب نے اُنہیں عالم سے کہا کہ **میاں صاحب** سے بھی اِس

عہ الشہادۃ علی عتق الامۃ وطلاق المنکوحۃ مقبول من غیر دعویٰ بالاتفاق والمسئلۃ معروفۃ ۱۲ ہدایہ مع الکفایہ مطبوعہ احمدی دہلی صفحہ ۱۱۳ جلد ۲

مسئلہ کو پوچھ لیجئے اُنھوں نے پوچھا میاں صاحب نے فرمایا ناجائز ہے مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضور طرفین راضی ہیں۔ اور نہ کوئی شرط خلاف شریعت ہے نہ کوئی امر مفضی الی المنازعت پھر وجہ عدم جواز کیا ہے؟ میاں صاحب نے فرمایا دعوی اجتہاد کا اور مسئلہ سمجھ میں نہیں آتا انحاد تملیک شرعیہ میں سے کون قسم ہے بیع ہے؟ نہیں، ہبہ ہے؟ نہیں، صدقہ ہے؟ نہیں، پھر کیا ہے؟ اتنا تو سمجھتے کہ کس چیز کا عوض ہے۔ حکیم صاحب مرحوم نے کل برف کا دام جو اُس وقت تک ہوا تھا تاجر برف کو حساب کرکے دے دیا۔

فقہ اور تفقہ کے تبحر کی بے شمار مثالوں میں سے صرف یہ چند مثالیں بطور "مشتے نمونہ از خروارے" ہیں ورنہ اس قسم کے معرکے تو فقہ و حدیث کے سبق میں روزانہ پیش ہی آتے رہتے تھے جس کا استقصا اگر کیا جائے تو ایک دفتر طویل الذیل تیار ہو جائے باایں ہمہ جو شخص فقہ کے تبحر کا صحیح اندازہ کرنا چاہے تو وہ میاں صاحب کے فتاوے مطبوعہ اور قلمی (جو آج بھی ہزاروں موجود ہیں) کا بغور مطالعہ کرے۔

اُصول فقہ

اُصول فقہ میں تبحر

اصول فقہ میں جو دستگاہ میاں صاحب نے حاصل کی دَور آخر میں شاید کوئی اس درجہ تک پہنچا ہو میں تسلیم کرتا ہوں کہ ہمارے نصاب تعلیم میں اُصول فقہ کی متعدد کتابیں داخل تھیں اور مرتبۂ فضیلت حاصل کرنے کے واسطے اُن کا پڑھنا پڑھانا لازم سمجھا جاتا تھا ہم کو یہ بھی معلوم ہے کہ میاں صاحب کے بعض معاصرین نے اصول فقہ کے بعض مشہور اور مستند متون پر حاشئے اور تعلیقات بھی لکھے ہیں[عہ]۔ مگر یہ بات اپنی جگہ ثابت ہے کہ کسی علم و فن میں مرتبۂ کمال تک پہنچنے کے لئے

عہ راقم کے نزدیک کتاب پر حاشیہ لکھ دینا جیسا کہ ہندوستان کے پچھلے علما کا دستور رہا ہے بجائے اُس فن کی قابلیت ثابت کرنے کے زیادہ تر اُس کتاب کی مہارت کو ظاہر کرتا ہے اور ہماری طرز تعلیم کا یہ نقص عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ اس میں بجائے اس کے کہ مسائل پر زور دیا جائے الفاظ و عبارت کتاب پر زور دیا جاتا ہے اور اسی طرز تعلیم کا نتیجہ ہے کہ آج تک ہندوستان میں کوئی شخص ایسا نہیں گذرا کہ جو باستحقاق مجتہد اور امام فن کہا جا سکے۔ حالانکہ کتب درسیہ پر جس قدر حاشئے اور حاشئے پر حاشئے کے پڑھنے پڑھانے کا رواج ہندوستان میں ہے دوسری جگہ اُس کی نظیر نہیں ملتی بجز شاہ ولی اللہ صاحب کے جن کا سلسلہ درس ہندوستان کے معمولی سلسلہ درس سے بالکل علیحدہ ہے۔

صرف ایک ہی ذریعہ یعنی اس علم کو استعمال کرتے رہنا ہے اصول فقہ کی تدوین و ترتیب دراصل استنباط مسائل و استخراج احکام میں سہولت پیدا کرنے کی غرض سے کی گئی تھی اور یہاں تقلید کی حکومت مطلقہ نے نہ صرف عملاً اجتہاد کا باب مسدود کر دیا تھا بلکہ فقہائے متقدمین نے مثل ختم نبوت کے ہمیشہ ہمیشہ کے واسطے ختم اجتہاد کا اعلان[ع] کر کے استنباط احکام کو جرم شرعی اور اصول فقہ کو کہ آلۂ اجتہاد ہے معطل قرار دے رکھا تھا۔

میاں صاحب کی طبیعت ابتدا ہی سے تحقیق کی طرف مائل تھی اور وہ زمانہ طالب العلمی ہی سے دلیل مسئلہ میں نظر کرنے کا حوصلہ و شوق رکھتے اور دلیل ہی کا اتباع کرتے تھے اس لئے اُن کو حدیث و فقہ کے ساتھ ساتھ اصول فقہ میں بھی کافی واقفیت اور کامل فہم حاصل کرنا ضرور تھا۔

اس فن کے تبحر کا اندازہ **آپ** کی مشہور اور معرکۃ الآرا تصنیف معیار الحق سے بخوبی ہوتا ہے جو کتب اصول کے شواہد سے مالا مال ہے اور یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس فن میں **آپ** کو کیسی قدرت حاصل تھی۔ اسی لئے جو اُنس **آپ** کو اس علم کے ساتھ تھا کام کرنے کے آخری زمانہ تک باقی رہا۔

مولوی علیم الدین حسین مرحوم نگرنہسوی جو کہ خاندانی عالم اور بڑے مستند فاضل تھے دہلی میں مفتی صدر الدین خاں سے مسلم الثبوت پڑھتے تھے ایک مرتبہ **میاں صاحب** نے مفتی صاحب کے بیان کئے ہوئے مطلب پر گرفت کی اور خود تقریر کی جس کو مفتی صاحب نے بھی بہت پسند کیا۔

مولوی علیم الدین حسین مرحوم تقریر کی صفائی اور تفہیم مطالب کی قدرت کو دیکھ کر اس قدر خوش ہوئے کہ دوسرے ہی روز **آپ** کے حلقہ تلامذہ میں داخل ہو گئے۔

ع من الناس من حکم بوجوب اخلو من بعد العلامہ النسفی و اختتم الاجتہاد وعنوا الاجتہاد فی المذہب و اما الاجتہاد المطلق فقالوا اختتم بالائمۃ الاربعۃ حتی اوجبوا تقلید واحد من ہؤلاء علی الامۃ وہذا کلہ ہوس من ہوساتہم لم یاتوا بدلیل ولا یعبأ بکلامہم و انما ہم من الذین حکم الحدیث انہم افتوا بغیر علم فضلوا و اضلوا ولم یفہموا ان ہذا اخبار بالغیب فی خمس لا یعلمہن الا اللہ تعالیٰ ۱۲ - شرح مسلم الثبوت بحر العلوم صفحہ ۶۲۴ مطبوعہ مطبع نولکشور

ملا محمد صدیق پشاوری مدظلہ جو آپ کے قدیم تلامذہ سے ہیں اور مسلم الثبوت اُصولی۔ اُن کے ماہر اور کامل فن اصولی ہونے کا مفصل تذکرہ فہرست تلامذہ میں اُن کے ترجمہ کے ساتھ انشاء اللہ کیا جائے گا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ **میاں صاحب** گاڑی میں سوار کہیں جا رہے تھے رستہ میں مولوی احمد علی صاحب مرحوم سہارن پوری نے جو دیکھا تو لپک کر آئے اور گاڑی کو روک کر ایک مسئلہ کا پتہ دریافت کرنے لگے کہ کس کتاب میں ملے گا۔ **میاں صاحب** نے فی البدیہہ بتا دیا کہ الاشباہ والنظائر میں موجود ہے مولوی صاحب موصوف بہت خوش ہوئے کہ اس آسانی سے نشان مل گیا محنت سے بچے۔

تفسیر

علوم دین میں فقہ، حدیث، تفسیر، یہی تین علم مقصود بالذات ہیں اور بقیہ علوم اُن کے لئے بمنزلہ آلات، ادوات، وسائط اور خادم کے ہیں ان تینوں علوم میں فقہ حدیث تو مرتبہ کمال کو پہنچ چکے اور اس قدر کتابیں ان دونوں میں تصنیف و تالیف ہو گئی ہیں کہ وہ ضرورت سے زیادہ ہیں چنانچہ ان دونوں کی نسبت کہا گیا ہے نضج[1] و احترق یعنی پک کر جل گیا پکنے سے مراد ہے اُس علم کے اصول و فروع کا مقرر، مبین اور مفصل ہو جانا اور جل جانے سے مُراد ہے نہایت مرتبۂ کمال کو پہنچ جانا[2] وفیہ ما فیہ

[1] فی الاشباہ قال بعض المشائخ العلوم ثلثۃ علم نضج وما احترق وھو علم النحو وعلم الاصول وعلم لا نضج ولا احترق وھو علم البیان والتفسیر وعلم نضج واحترق وھو الفقہ والحدیث الاشباہ والنظائر صہ۲۰۵ مطبوعہ مطبع نولکشور

[2] علم حدیث کی نسبت تو یہ مقولہ بلاشبہ صحیح ہے کیوں کہ اصل حدیث تو ختم نبوت کے ساتھ ہی ختم ہو گئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد پیدا نئے سرے سے ہو ہی نہیں سکتی باقی رہی فقہ اُس کی نسبت یہ کہنا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا کیوں کہ جزئیات مسائل تو ہمیشہ نئے نئے پیدا ہوتے ہی رہتے ہیں جیسے ریل پر نماز، نوٹ کی بیع وعلی ہذا القیاس۔ قال صاحب التوضیح اعلم انہ لا ایراد بالاحکام الکل لان الحوادث لا تکاد تتناہی ولا مناطبۃ بجمع احکامھا اھ وقال صاحب التلویح لان الحوادث وان کانت (دیکھو صفحہ ۶۲)

اور علم تفسیر کے خصوص میں یہ فیصلہ ہے لم ینضج بعد ابھی تک پکا ہی نہیں تفسیر کے فن میں اگرچہ حدیث کی نسبت کتابیں کم لکھی گئی ہیں پھر بھی بالالحاظ مقابلہ جس قدر کتابیں موجود ہیں وہ تعداد میں کم نہیں ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ حدیث کی کتابیں جس قدر لکھی گئی ہیں اور بالخصوص جو قابل اسناد سمجھی جاتی ہیں وہ نہایت محنت وکاوش اور احتیاط سے لکھی گئی ہیں برخلاف اس کے تفسیروں کی حالت یہ ہے کہ سلف صالحین سے جو تفسیریں ہیں اُن میں اختصار ہے جو تنقید کا مقتضی ہے اُن تفسیروں میں گویا صرف ترجمے ہیں یا احادیث نبویؐ اور آثار صحابہ وتابعین سے تفسیر کی گئی ہے اور ان روایتوں میں بھی تنقید ہے جیسے ابن کثیر، ابن جریر، فتح القدیر، جلالین اور جامع البیان ان کے بعد ایسی تفسیریں ہوئیں جن میں روایات کی تنقید نہیں کی گئی مگر سند مذکور ہے جس سے اہل بصیرت کے لئے تنقید آسان ہے جیسے معالم التنزیل، تفسیر مظہری اور درمنثور۔ پھر وہ تفسیریں ہوئیں جن میں متکلمانہ روش اختیار کی گئی اور اُن میں اس قدر مبالغہ ہوا کہ بجائے تفسیر ہونے کے وہ علم کلام کی ایک مبسوط کتاب ہو گئی جیسے تفسیر کبیر (جس کی نسبت مقولہ ہے فیہ کل شئے الا التفسیر۔ یعنی اُس میں دنیا بھر کی باتیں ہیں تفسیر ہی نہیں ہے) بعض تفسیریں اس قسم کی ہیں جن میں قرآن کی عربیت، معانی، بیان اور بدیع سے بحث ہے جیسے کشاف جار اللہ زمخشری کی۔ کسی میں صوفیانہ رنگ ہے اسرائیلیات کی دھوم ہے جیسے روح البیان۔ مگر روایات کی حیثیت سے دیکھیے تو اُن کو مجموعہ رطب ویابس کہنا کسی طرح بے جا نہیں ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۱) متناہیۃ فی نفسہا بانقضا دار التکلیف الا انہا لکثرتہا وعدم انقطاعہا ما دامت الدنیا غیر داخلۃ تحت حصر الحاصرین وضبط المجتہدین وہو المعنی بقولہ لا تکاد تتناہی فلا یعلم احکامہا جزئیاً فجزئیاً لعدم احاطۃ البشر بذلک ولا کلیاً تفصیلیاً لانہ لا ضابطۃ یجمعہا لاختلاف الحوادث اختلافاً لا یدخل تحت الضبط اھ ص۳۱ (مطبوعہ مطبع نولکشور) اور جناب شاہ ولی اللہ صاحب مصفیٰ شرح موطا میں لکھتے ہیں "مسائل کثیرۃ الوقوع غیر محصور اند ومعرفت احکام الٰہی در انہا واجب وانچہ مسطور ومدون شدہ است غیر کافی ودر انہا اختلاف بسیار کہ بدون رجوع بادلہ حل اختلاف آں نتواں کرد وطرق آں تا مجتہدین غالباً منقطع پس بغیر عرض بر قواعد اجتہاد راست نیاید اھ ۱۲

میاں صاحب کی نظر تفسیر کبیر، تفسیر نیشاپوری زاہدی، تفسیر الحداد، تفسیر عبدالصمد، تفسیر جامع البیان، تفسیر معالم التنزیل بغوی، کشاف، مدارک، بیضاوی، ابن جریر، ابن کثیر، در منثور، رحمانی، ابوالسعود وغیرہ کتب تفسیریہ اگرچہ محیط تھی اور اکثر ان کتابوں کا حوالہ دیا کرتے اور زمانۂ طالب علمی میں تو اتقان علامہ سیوطی کی (جو کہ مقدمات تفسیر کے طور پر اپنے فن کی ایک منفرد تصنیف ہے) من اولہ إلیٰ آخرہ ازبر یاد تھی۔ لیکن بوجہ مذکورہ بالا درس دینے کے لئے **آپ** نے تفسیر کے متعلق صرف تفسیر جلالین (جس کے الفاظ کی تعداد قرآن مجید کی تعداد الفاظ سے زیادہ نہیں ہے) اور ترجمہ قرآن کو اختیار کر لیا تھا۔ اگرچہ جید طلبہ کی استدعا پر بیضاوی بھی پڑھاتے تھے مگر روزانہ ترجمۂ قرآن پڑھاتے وقت جب **آپ** اپنا مقراضی ترجمہ بیان فرماتے تو اس سے صاف معلوم ہوتا تاکہ قرآن کو جیسا **آپ** نے سمجھا ہے یا دوسروں کو سمجھانے کی جو قدرت **آپ** کو حاصل ہے اس کی نظیر اس زمانہ میں ملنی مشکل ہے **اللھم اجعل رزق محمد قوتا**، قوت کا مقراضی ترجمہ فرماتے۔ نہ باسی بچے نہ کتا کھائے یعنی برابر سرابر سدادا وقاربوا کا مقراضی ترجمہ چلے چلو اور لگے رہو یعنی میانہ روی اختیار کرو۔

افسوس ہے کہ ان مقراضی ترجمے کے قلم بند کرنے کی طرف تلامذہ میں سے کسی نے توجہ نہیں کی ورنہ وہ ایک لاجواب یادگار ہوتی۔

علم تجوید و قرائت

علم تجوید و قرائت

اگرچہ علوم دینیہ میں چنداں مہتم بالشان علم نہیں ہے اور نہ ہندوستان میں اس کے پڑھنے پڑھانے کا چنداں رواج ہے مگر اس فن کی کتابوں پر بھی **آپ** کی نظر نہایت وسیع تھی۔ چنانچہ قاری عبدالرحمن پانی پتی اور **آپ** سے جو مناظر ہوئے وہ خود ثابت کر رہے ہیں کہ **آپ** کو اس فن میں بھی کیسا کمال تھا قاری عبدالرحمن مرحوم ضاد کو دواد پڑھتے اور اسی کو صحیح کہتے تھے **میاں صاحب** نے ثابت کر دیا کہ ضاد مشابہ بالظاء ہے نہ بالدال۔

علم کلام

علم کلام پر بھی **آپ** کو پورا عبور تھا مگر توافقاً للمحدثین اس کو بدعت خیال

کرکے درس وتدریس سے کنارہ کشی اختیار کی۔

مستقل حلقہ درس

الغرض مولانا شاہ محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی ہجرت کے بعد میاں صاحب نے مسجد اورنگ آبادی میں اپنا مستقل حلقۂ درس قائم کیا اور سنہ ۱۲۷۰ھ ہجری تک فنون درسیہ کی ہر شاخ صرف، نحو، معانی، بیان، منطق، معقولات فقہ، اصول فقہ، حدیث، اصول حدیث اور تفسیر غرض ہر فن کی کتابیں بلا استثنا پڑھاتے رہے لیکن بعد اس کے تمام دیگر فنون سے اعراض کرکے صرف علوم دین فقہ، حدیث، اصول حدیث اور تفسیر کو اختیار کر لیا اور زندگی کا باقی حصہ جو کہ تقریباً پچاس برس کا طویل زمانہ ہے محض دین کی خدمت اور علوم دینیہ کی اشاعت میں بسر کر دیا۔

سنہ ۱۲۷۰ھ ہجری تک علوم درسیہ پڑھایا

صرف علوم دین کا درس اختیار کرلیا

مطالعہ کتب بینی اور وسعت نظر

قومی کتب خانہ کا نہ ہونا قومی ترقی کے لئے بہت بڑا مزاحم سبب ہے

اس میں شک نہیں کہ ملک میں قومی کتب خانوں کا نہ ہونا عموماً ترقی علمی کے لئے بہت بڑا مزاحم ہے یورپ وامریکہ میں عام ترقی علمی کے ذرائع انہیں قومی کتب خانوں میں مسلسل اور مرتب طور پر موجود ہیں جو تھوڑی محنت سے حاصل ہو سکتے ہیں یہاں جس حصہ میں جتنی تہذیب اور علم زیادہ ہے وہاں اسی قدر قومی کتب خانوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہے۔

ہندوستان میں قومی کتب خانہ کی جانب کبھی توجہ کی ہی نہ گئی جس وجہ سے عام جہالت کا مقابلہ کبھی نہ ہوسکا۔

قومی تعلیم عام تو کیا ہوگی۔ مذہبی تعلیم جس کا رواج چیدہ لوگوں میں ہے اس کی حالت بھی بتر ہے کیوں کہ کتب درسیہ پڑھ لینے اور دستار فضیلت بندھوا لینے کے بعد سو میں ایک آدمی بھی ایسا نہیں نکلتا جس نے مابہ الامتیاز ترقی کی ہو۔ اس کی پہلی وجہ تو وہی ہے قومی کتب خانوں کا نہ ہونا اور بسبب عدم سہولت مطالعہ کے

۵ حکومت اسلامیہ ہندوستان پر جب اس حیثیت سے نظر کی جاتی ہے کہ علوم دینیہ اسلامیہ کی سرپرستی حکومت نے کہاں تک کی تو نہایت تعجب ہوتا ہے کہ چھ سات سو برس کی طویل مدت میں ہندوستان کے مسلمانوں میں ایک شخص بھی ایسا نہیں پیدا ہوا جو علوم دین کی کسی شاخ میں امامت واجتہاد کا منصب رکھتا ہو پھر بھی وقتاً فوقتاً ایسے لوگ پیدا ہوتے رہتے تھے جن کو اگر امام و مجتہد نہیں تو ماہرفن ضرور کہہ سکتے ہیں ۱۲

مطالعہ کی جانب سے غافل ہو جاتا مگر میاں صاحب کی استعداد خدا دادنے اس کمی کی تلافی یوں کی تھی۔ زمانہ طالب علمی سے کتب بینی کا شوق تو بے حد تھا ہی۔ چنانچہ مولوی سید عبدالعزیز صمدانی کو ایک خط میں خود لکھتے ہیں "کہ اُس وقت شوق کتب بینی زیادہ تھا" مزید براں اُس وقت دہلی میں دو لاجواب کتب خانے موجود تھے ایک تو شاہی کتب خانہ قلعہ کا جس میں سیکڑوں برس بلکہ آغاز عملداری اسلامی سے کتابوں کا ذخیرہ برابر جمع ہوتا آتا تھا۔ اور بسبب اس کے کہ میرزا فخرالدین ولی عہد بہادر شاہ سے اور میاں صاحب سے نہایت ربط تھا قلعہ کے کتب خانہ پر پورا اقتدار حاصل تھا۔ قلعہ میں رہ کر بھی کتابیں پڑھتے تھے اور کتب خانہ سے گھر پر بھی کتابیں لے جاکر مطالعہ کرتے اور ہر کتاب کو بالاستیعاب من اولہ الیٰ آخرہ پڑھتے اور مضامین مفیدہ کے التقاط کے لئے اپنے پاس بیاض رکھتے اُس میں جو مضمون قابل درج ہوتا اُس کو درج کر لیتے جس کو خود کشکول کہا کرتے تھے۔

میاں صاحب کی کتب بینی

قلعہ کا کتب خانہ

دوسرا کتب خانہ دہلی میں مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کا تھا جس میں کتابوں کے جمع کرنے کا کام تو شروع ہوا تھا شاہ عبدالرحیم صاحب کے وقت سے اور اُن کے بیٹے مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اُس میں بہت معتدبہ افزائش کی پھر مولانا شاہ عبدالعزیز رحمہ کے زمانہ میں تو وہ ایک منتظم اور باقاعدہ کتب خانہ ہو گیا۔ بہت زیادہ افزائش و ترقی کے ساتھ جس میں اُس وقت کے گورنر جنرل نے روپیہ کی ایک بڑی تعداد سے مدد دی تھی۔ اور ممالک غیر مصر و عرب وغیرہ سے اُس کے لئے کتابیں منگوائی گئی تھیں۔ اُس کتب خانہ عزیزیہ پر میاں صاحب کو بسبب اس کے کہ تیرہ چودہ برس تک مولانا شاہ محمد اسحٰق علیہ الرحمۃ کے ساتھ رہے پورا قبضہ حاصل تھا اور کتب بینی کا بھی پورا موقع۔ وہاں بھی وہ کشکول والا طریقہ جاری رہا۔

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کا کتب خانہ

تیسرا کتب خانہ خود اپنا تھا جس کو بڑی محنت سے جمع کیا تھا اور بیشتر کتابیں اس میں قلمی اور دست خاص کی لکھی ہوئی تھیں جو طبع نہ ہوئی تھیں اور نایاب ہو چکی تھیں۔ وہ غدر میں لٹ گیا جس کا افسوس تمام عمر شیخ کو رہا اور ہمیشہ اُس کا ماتم کرتے رہے

میاں صاحب کا کتب خانہ

راولپنڈی میں جب میاں صاحب نظر بند تھے تو اس بات کی اجازت حاصل کر لی تھی کہ سرکاری لائبریری سے میں جو کتاب چاہوں منگوا کر دیکھوں چنانچہ

راولپنڈی کا سرکاری کتب خانہ

وہاں بھی تضیع اوقات نہ ہوئی بلکہ بہت نادر نادر کتابوں کے مطالعہ میں مصروف رہے اور چونکہ صرف ایک سبق صحیح بخاری کا عطاء اللہ نام طالب علم کو (جو مجلس میں آپ کا رفیق تھا) پڑھانا ہوتا تھا کتب بینی کے لئے وقت بھی بہت کچھ ملتا تھا۔ طالب علم مذکور نے سبقاً سبقاً پوری صحیح بخاری بھی وہاں پڑھی اور قرآن مجید بھی حفظ کیا۔

بحر العلوم کا کتب خانہ

اِس کے سوا آپ کو بارہا لکھنؤ تشریف لے جانے کا اتفاق ہوا وہاں بحر العلوم کا کتب خانہ جو مولانا عبدالحی صاحب مرحوم کے زیر اہتمام مع اُن کی جمع کی ہوئی کتابوں کے تھا۔ جس میں غالباً کئی ہزار جلد کتابیں تھیں اور مولوی حامد حسین لکھنوی (جو حضرات شیعہ میں بہت بڑے مسلم عالم مانے جاتے تھے اور جن کی کتاب "استقصاء الافہام" مشہور ہے) کا کتب خانہ بھی لکھنؤ میں ایک لاجواب کتب خانہ تھا میاں صاحب جتنے دن لکھنؤ میں تشریف رکھتے اُنہیں کتب خانوں کی سیر کرتے اور جو نادر کتابیں ملتیں اُن کو مستعار لے جاتے اور بعد مطالعہ یا نقل کے واپس کرتے میاں صاحب کو کتب بینی اور کتابوں کے جمع کرنے کا چسکا ایسا پڑ گیا تھا کہ ہر فن کی کتابوں کو دیکھتے تھے اخیر عمر میں مولوی ابوالطیب محمد شمس الحق صاحب سلمہ کو بطور شکریہ کے لکھتے ہیں "نسخہ شرح الفیہ و لآلی معرفت ڈاکخانہ وصول شد جزاکم اللہ تعالےٰ" پھر اُنہیں کو ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں " و دیگر گذارش این ست کہ از لطف و احسان شرح فارسی دیوان متنبی کہ از تصنیفات مولوی ابراہیم صاحب مرحوم جستجو نمودہ بہ قیمت گرفتہ ضرور خواہند فرستاد و ایں امر را بہ مولوی محمد علیم الدین حسین مذکرہ کردہ ممد و موید بتلاش شرح مذکور خواہند نمود عین لطف و کرم باشد۔" ۱۲۹۳ھ میں میرے سامنے بھی شیخ نے کلیات میر تقی تین روپیہ کو خرید کی تھی۔

مولوی حامد حسین لکھنوی کا کتب خانہ

آخر عمر میں شرح فارسی دیوان متنبی کا منگوانا

کلیات میر تقی خرید کرنا

ان کتب خانوں کے علاوہ بھوپال وغیرہ جہاں سے جس کتاب کی ضرورت ہوتی منگوا لیتے۔

ریلوے جاری ہونے کے قبل ایک کتاب کسی طالب علم کو پاپیادہ لکھنؤ بھیج کر منگوائی تھی۔

ریلوے جاری ہونے کے قبل آدمی کو پاپیادہ لکھنؤ بھیج کر کتاب منگوانا

اخیر عمر تک مطالعہ کا ایسا ملکہ تھا کہ جب یہ بات مشہور ہوئی کہ مولوی ارشاد حسین مرحوم رام پوری نے سالہا سال کی محنت شاقہ کے بعد معیار الحق کا جواب

تیار کیا ہے جس کا نام "انتصار الحق" رکھا ہے اور وہ کتاب زیر طبع ہے تو میاں صاحب کو بھی انتظار تھا کہ دیکھیں کیا جواب لکھا ہے پس از انتظار بسیار جب کتاب مطبع سے نکلی اور قریب مغرب آپ کے پاس پہنچی۔ تو بعد نماز مغرب اُس کو پڑھنا شروع کیا نماز عشا اور تہجد کے سوا ساری رات مطالعہ میں مصروف رہے باوجودیکہ کتاب نہایت ضخیم تھی تقریباً ۳۶ جزو سے کم نہ ہوگی اور تقطیع بھی بڑی مگر آپ نے نماز صبح کے قبل ختم کر دی اور جب نماز صبح کے لئے تشریف لائے تو انتصار کو ساتھ لیتے آئے اور بعد نماز کے مولوی احمد حسن دہلوی کو مخاطب کرکے کہا کہ یہ جواب ہماری کتاب کا نہیں ہے یہ کہہ کر اُن کو کتاب دے دی اس کے بعد مولوی صاحب ممدوح نے انتصار کو پڑھ کر ایک رسالہ "تلخیص الانظار فی ما بنی علیہ الانتصار" نہایت ہی مدلل طور پر لکھ کر اور چھپوا کر بہت جلد شائع کر دیا کہ برسوں سے جس کتاب کا شہرہ تھا اُس کو ہباء منثورا کر دینے میں قلم کو صرف چند گھنٹے کام کرنے پڑے سو

انتصار الحق کا ذکر

مطالعہ کا ملکہ

تلخیص الانظار فی ما بنی علیہ الانتصار تردید انتصار الحق

جو چیرا تو اِک قطرۂ خون نکلا	بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا

خلاصہ یہ ہے کہ قومی کتب خانوں کا نہ ہونا قوم کے لئے سخت مصیبت ہے اور علمی ترقی میں سخت مزاحم۔ سیلاب جہالت کے لئے ایسا ڈھلوان ہے جس کو کسی طرح کا بند روک نہیں سکتا مگر میاں صاحب اپنی خداداد استعداد اور محنت شاقہ کی بدولت تمام مشکلات مطالعہ پر غالب آکر اسلامی دنیا میں ایک فرد کامل ہی ہو کر رہے۔

میاں صاحب تمام مشکلات مطالعہ پر غالب آئے

چونکہ مطالعہ کتاب کی عادت ابتدا ہی سے رفیق تھی اُسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم عصروں میں جو وسعت نظر آپ کو حاصل ہوئی کسی دوسرے کو نہ ہو سکی۔ چنانچہ مولوی عبدالحی مرحوم لکھنوی اپنے ایک خط میں حافظ عبدالمنان صاحب کو لکھتے ہیں "اگر بہ مولوی نذیر حسین صاحب معائنہ کنانیدہ شود خوب ست کہ جناب شاں را بر کتب محققین نظرے ست وسیع" یوں تو مطالعہ کتاب علما کے لئے ضروری ہے اور ہر شخص جو عالم ہے یا عالم بنا چاہتا ہے کچھ نہ کچھ مطالعہ کا شغل رکھتا ہی ہے مگر عموماً چونکہ لوگ اس بات کا فیصلہ نہیں کرتے کہ اُن کو کس قسم کی اور کس مصنف کی

علمائے عصر کا اعتراف وسعت نظر

مطالعہ کا طریقہ اور کتابوں کا انتخاب

کتاب مطالعہ کرنی چاہیئے بلکہ بلالحاظ جو کتاب سامنے آئی اُس کو پڑھنے لگے اسی وجہ سے اُن کے مطالعہ پر کوئی عمدہ نتیجہ مترتب نہیں ہوتا **میاں صاحب** دیکھتے تو ہر قسم کی کتابیں تھے یہاں تک کہ شعراء اُردو کے دیوان بھی مگر ہر جگہ یہ اصول پیش نظر تھا کہ اساتذۂ فن اور مستند مصنفین کی کتابیں دیکھی جائیں چنانچہ دیوان بھی دیکھتے تو میر، خواجہ میر درد اور سودا وغیرہ متقدمین شعراء کا مطالعہ کے متعلق طبیعت کا ایک خاص عنوان یہ تھا کہ اگر کسی کتاب میں کسی مسئلہ کے متعلق کوئی حوالہ کسی متقدم تصنیف کا نظر سے گذرتا تو یہ کوشش رہتی کہ اُس اصل مصنف کی کتاب کو اصالتاً دیکھیں اور کبھی نہ کبھی جہاں سے وہ ملتی اُس کتاب کو منگا کر ضرور دیکھتے اس التزام سے یہ فائدہ ہوا کہ متاخرین مصنفین کے اصلی ماخذ پر نظر احاطہ کرتی گئی اور بالآخر یہاں تک نوبت پہنچی کہ متاخرین کی کوئی تصنیف جب نظر سے گذرتی تو فرما دیتے کہ فلاں مضمون فلاں جگہ سے ماخوذ ہے چنانچہ اس موقع پر خود فرماتے تھے کہ اِن دونوں دادا پوتے (شاہ ولی اللہ اور مولانا شہید) کا قائل ہوں ان کا پتہ تو نہیں لگا کہ کہاں سے لکھتے ہیں۔ ورنہ جس متاخر مصنف کی کتاب میرے سامنے لاؤ بتا دوں گا کہ اس کا ماخذ فلاں متقدم مصنف کی فلاں کتاب ہے اور صفحے کے صفحے ورق کے ورق ایسے دکھا دوں گا جو نقل محض ہے اسی کمال کا نتیجہ یہ تھا کہ باوجود اس درازی عمر کے **آپ** کے تلامذہ ارشد مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب لاہوری حافظ عبد اللہ صاحب غازی پوری مولوی محمد بشیر صاحب وغیرہم جیسے حضرات جب کسی مشکل مقام پر اٹکتے اور وہاں سے نکلنے میں اُن کی کوششوں کا خاتمہ ناکامی پر ہو جاتا تو اُس وقت **شیخ** سے استمداد کرتے اور **آپ** خط پڑھنے یا زبانی سوال کرنے کے بعد فوراً ہی فرماتے

اصلی ماخذ کی تلاش

اصلی ماخذ کا علم

علماء کاملین استمداد کرتے تھے

ے مولوی محمد بشیر صاحب اور مولوی عبد الحی صاحب میں جب گرما گرمی کے ساتھ تحریری مناظرہ عربی زبان میں ہو رہا تھا تو مولوی محمد بشیر صاحب نے **میاں صاحب** سے دریافت کیا کہ اس موضوع پر متقدمین کی کوئی کتاب ہے کہ نہیں؟ فوراً **میاں صاحب** نے فرمایا "صارم منکی علی صدر ابن السبکی" خاص اسی موضوع میں ہے عرب میں ملے گی۔ چنانچہ وہ کتاب اثنار مناظرہ میں منگوائی گئی تو جیسا **آپ** نے فرمایا تھا ٹھیک ویسی ہی ثابت ہوئی۔ مولوی عبد الحی صاحب مرحوم کہا کرتے تھے کہ صارم اگر نہ مل جاتی تو میری کتاب کا جواب نہ ہوسکتا ۱۲

کہ فلاں مصنف نے اسی موضوع پر خاص کتاب لکھی ہے جس کا نام یہ ہے اور بعض اسی سوال کے جواب میں یہ لکھا ہے یہ کتاب فلاں کتب خانہ میں موجود ہے۔ اگر ہندوستان میں نہ ہوتی تو فرماتے کہ عرب میں ہے اس کو منگا کر دیکھو۔ بارہا ایسا اتفاق ہوا کہ کچھ دنوں بعد جب وہ کتاب عرب وغیرہ سے آجاتی تو شیخ کے قول کی تصدیق ایسی ہوتی کہ جو کچھ آپ نے فرمایا تھا بلفظہ اُس کتاب میں بھی پایا جاتا۔ مطالعہ کی نسبت ایک بات اور کہہ دینی ضرور ہے چونکہ عموماً لوگ بعد تحصیل علم مطالعہ کتب کا التزام نہیں رکھا کرتے یہی وجہ اُن کی خامی کی ہو جاتی ہے اور میاں صاحب نے آخر آخر تک مطالعہ کا التزام رکھا۔

درس کا طریقہ

جن لوگوں نے آپ سے پڑھا ہے یا پڑھاتے ہوئے دیکھا ہے اُن کو تو یاد دلانے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے مگر چونکہ سوانح لکھی جاتی ہے آنے والی نسلوں کے لئے اس واسطے ضرور ہے کہ بالاجمال اس کا ذکر بھی کر دیا جاے۔

حدیث انما الاعمال بالنیات کو ستائیس دن میں پڑھاتے

میاں صاحب خود فرمایا کرتے تھے کہ پہلے حدیث انما الاعمال بالنیات کو جو صحیح بخاری کی پہلی حدیث ہے ستائیس روز میں میں پڑھاتا تھا۔ مگر اب وہ زمانہ نہیں ہے اب تو ہتیلی پر سرسوں جماتا ہوں۔

صحاح ستہ دو برس میں پڑھاتے

باایں ہمہ دو برس میں پوری صحاح ستہ اور ایک ماہ رمضان میں جلالین آپ پڑھاتے تھے اور تحصیل علم حدیث کے لئے دو تین برس سے کم کی مدت کو کافی نہیں خیال کرتے تھے چنانچہ مولوی سید عبدالعزیز فرخ آبادی کو لکھتے ہیں 'ایں ہم قابل لحاظ ست کہ اگر قصد مصمم باشد دو سہ سال تا فراغ علم حدیث و تفسیر دریں جا ماندہ بود منظور باشد قصد نمایند چندے دریں جا ماندن و ناکام واپس شدن ہرگز پسندیدہ امر تردد خردمنداں نیست۔'

تحصیل علم حدیث کے لئے دو تین برس سے کم کی مدت کو کافی نہیں سمجھتے

علما امتحانا آتے اور بعد امتحان حلقہ تلامذہ میں داخل ہو جاتے

آپ کے درس کی دھوم تو سارے ہندوستان میں مچی ہوئی تھی صرف، نحو، منطق، فلسفہ اور فقہ کے ماہرین بغرض امتحان آتے اور جب اپنی تشفی کر لیتے تو حلقہ تلامذہ میں داخل ہو جاتے اس وقت بھی جب کہ قواے جسمانی مضمحل ہو چکے

تھے چند باتیں آپ کے درس میں قابل لحاظ تھیں - اقوال صحیحہ وضعیفہ کی جانچ پڑتال سلجھی ہوئی تقریر، بیان کی صفائی، تفہیم کی قدرت، حافظہ کی قوت، اشکال کی تشریح، وسعت نظر، ملکۂ راسخہ، ہر مقام کے مالہ وما علیہ سے وقوف -

ڈاکٹر حافظ نذیر احمد کی رائے آپ کے درس کی نسبت

مولوی حافظ ڈپٹی نذیر احمد ال ال ڈی فرماتے ہیں کہ "آپ کا درس عام پسند اور حساد کے لئے موجب گزند تھا"۔

مولوی عبداللہ بازید پوری کی شہادت

مولوی محمد عبداللہ بازید پوری فرماتے ہیں "کہ میں مفتی صدر الدین خاں صدر الصدور دہلی سے کتب درسیہ پڑھتا تھا اور اکثر میاں صاحب کے درس کے وقت وہاں بھی جا کر بیٹھتا تھا طلبہ کا ہجوم رہتا اور آپ نہایت تحقیق کے ساتھ درس دیتے اور حق بات یہ ہے کہ فقہ تفسیر حدیث اور فلسفہ کے آپ عالم متبحر تھے پڑھانے میں جب تقریر کرتے تو ایک بحر مواج معلوم ہوتے تھے"

راقم کہتا ہے کہ اسی کے ساتھ اکثر فنون مروجہ میں آپ کو مہارت تامہ حاصل تھی چنانچہ ایک روز ایک مسئلہ طبی کی تحقیق کے موقع پر فرمانے لگے کہ میں نے پانچ شرحیں قانون کی من اولہ الی آخرہ پڑھی ہیں -

مولوی ابو عبدالرحمن محمد عبداللہ نے مشاہیر علماء عصر کے درس کا میاں صاحب کے درس سے تقابل کیا پھر شاگرد ہوئے

مولوی ابو عبدالرحمٰن محمد عبداللہ بن مولانا الحاج صائم الدہر جمال الدین ہزاروی جیلانوی لکھتے ہیں -کہ "میں ۱۲۸۳ھ میں تحصیل علم کے لئے دہلی گیا مولانا محمد قاسم نانوتی، مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی احمد علی سہارن پوری، مفتی صدر الدین خاں صدر الصدور دہلوی، مولانا سعادت علی سہارن پوری، نواب قطب الدین خاں صاحب دہلوی، مولانا عبدالغنی بن ابی سعید المجددی وغیرہم بڑے بڑے کملا سے ملا اور بہت روزوں تک اُن لوگوں کے درس کا مقابلہ اور موازنہ بہ نظر غائر میاں صاحب کے درس سے کرتا رہا آخری فیصلہ میرے دل نے یہی کیا کہ میاں صاحب کے درس میں بالکل ہی نرالا پن ہے -

وعظ کا طریقہ

وعظ کا معنی خیز اور عام فہم ہونا

وعظ سے آپ کو مقصود محض ہدایت انام تھی نہ نمائش اس لئے آپ نے وہ طریقہ اختیار کیا جو کہ معنی خیز مگر عام فہم تھا -

ابتدا میں قرآن مجید کا کوئی چھوٹا سورہ یا آیت تلاوت فرماتے پھر اُس کا ترجمہ کرتے اور جتنے مسائل پر وہ نص صریح مشتمل ہوتی اُن کو بیان کرتے اور حتی الامکان قرآن کی تفسیر بفحوائے یفسر بعضہ بعضاً قرآن ہی سے کرتے اور شواہد میں احادیث متعلقہ مسائل مذکورہ کو بھی بیان کر دیتے حاضرین وسامعین میں اگر علما ہوتے تو اُن کے انتباہ کے لئے نکات وغوامض مسائل الٰہیات وفلسفہ کا بھی کچھ بیان کر دیتے مگر تقریر میں صفائی اور سادگی ایسی ہوتی کہ بمصداق۔ انچہ از دل خیزد در دل ریزد سامعین کے دل پر اُس کا اثر ضرور ہوتا پھر اُس پر طرہ تھا چشم بد دور آپ کا مقراضی ترجمہ جس سے سامعین کی آنکھیں کھُل جاتیں۔

صبح کا درس ایک رکوع قرآن مجید کا گویا روزانہ کا وعظ تھا (ایک ختم قرآن مجید کا ہر سال یوں بھی ہوتا) اس کا لطف وہی لوگ جانتے ہیں جو اُس میں شریک رہے ہیں انداز بیان میں ایسی سادگی تھی۔ کہ شاید وباید۔

(حاشیہ: صبح کا درس ایک رکوع قرآن مجید کا۔)

قرآن میں جہاں توحید باری کا مضمون آتا اُس کو سمجھا کر فرماتے مگر تم دلی والے یا پیر یا پیر کہتے ہی رہے ھا۔ ماقدروا اللہ حق قدرہ چلو صاحب چلو۔

(حاشیہ: توحید باری کے مضمون پر مگر تم دلی والے یا پیر یا پیر کہتے ہی رہے تھا ما قدروا اللہ حق قدرہ تکیہ کلام ہو گیا تھا)

مولوی عبدالغفار صاحب مرحوم مہدانوی چھپروی آپ کی سادگی کی ادا ؤں کو دیکھ کر بے ساختہ پڑھ دیتے ؏[1]

کسی کی سادگی میں اَور ہی عالم نکلتا ہے		دکھا کر اپنی آرائش پری مجھ کو نہ دے دھوکا

اوائل میں ایک دفعہ آپ دہلی سے سورج گڑھ آئے واپسی کے وقت صادق پور من محلات عظیم آباد (پٹنہ) میں (جو آپ کی طالب علمی کی پہلی جگہ تھی) ٹھیرے جناب مولانا احمد اللہ صاحب مرحوم (والد ماجد جناب حکیم عبدالحمید صاحب مرحوم جو خود علامہ اور رئیس اعظم پٹنہ کے تھے اور جناب حکیم صاحب ممدوح رئیس العلما والاطبا پٹنہ کے) نے (جن کے آپ مہمان تھے) میاں صاحب کو وعظ کہنے پر مجبور کیا اُس وعظ کے سننے والے ابھی تک موجود ہیں اور اُن کا بیان ہے کہ ایسا وعظ کبھی نہیں سنا۔

(حاشیہ: عظیم آباد پٹنہ کا وعظ)

مظفرپور میں ایک دفعہ خاکسار کی استدعا پر بعد نماز مغرب کے القارعۃ[2]

(حاشیہ: مظفرپور کا وعظ)

[1] یہ واقعہ غالباً سنہ ۱۲۹۰ ہجری کا ہے ۱۲

ما القارعة کا بیان آپ نماز عشا تک فرماتے رہے اُس وعظ میں مختلف حصص ہندوستان کے نامی گرامی علما کا مجمع عظیم الشان تھا علاوہ اس کے کہ وہ بیان عجیب پر کیفیت پُر لطف، بلیغ اور پر اثر تھا۔

خصوصیت اُس وعظ کی یہ تھی کہ احوال قیامت کا بیان تھا اور حالات قیامت بہ الفاظ و عبارات مختلفہ جتنی جگہ قرآن مجید میں وارد ہوئے ہیں ہر لفظ و عبارت کے مقابل میں اُس کے کل مشاکل اور مرادف الفاظ و عبارات مختلفہ کو اکٹھا کرکے تطبیق دیتے اور ہر تعبیر کے متعلق فائدہ اور بیان خاص فرمانے جیسے القارعۃ کے ساتھ الحاقۃ وغیرہ کل الفاظ مرادف و اوصاف متضاد جیسے خافضۃ رافعہ جو قرآن مجید میں مختلف جگہ موجود ہیں۔ یا مثلاً پہاڑوں کی نسبت کہیں کالعھن المنفوش وارد ہے کہیں ھباء منبثا کہیں کانت الجبال کثیبا مھیلا کہیں و اذا الجبال سُیرت کہیں و اذا الجبال نسفت آسمان کے بارے میں کہیں و اذا السماء کشطت کہیں اذا السماء انفطرت کہیں ہے تکون السماء کالمھل کہیں فتحت السماء فکانت ابوابا کہیں اذا السماء فرجت کہیں فاذا انشقت السماء فکانت وردۃ کالدھان۔ زمین کے بارے میں کہیں ہے اذا رجت الارض رجا اور کہیں ہے اذا دکت الارض دکا۔ کہیں ہے اذا الارض مدت کہیں ہے یوم تبدل الارض غیر الارض۔ دریا کے بارے میں کہیں ہے اذا البحار فجرت کہیں ہے اذا البحار سجرت روز قیامت کی درازی کے بارے میں کہیں ہے مقدارہ خمسین الف سنۃ کہیں ہے مقدارہ الف سنہ اہل قیامت کی نسبت کہیں ہے کنتم ازواجا ثلثہ کہیں دو ہی قسم ہے فریق فی الجنۃ وفریق فی السعیر نامۂ اعمال دیئے جانے کی نسبت کہیں ہے اما من اوتی کتابہ بشمالہ کہیں ہے اما من اوتی کتابہ وراء ظھرہ وغیرہ وغیرہ ان سب لفظوں میں تطبیق اور ہر تعبیر کی تحت میں خاص خاص فوائد اور اُس کے ساتھ ساتھ احادیث سے شواہد لاتے اسی طرح سارے قرآن مجید کے کل الفاظ مشتمل احوال قیامت کو مع تطبیق و تعبیر و فوائد کے بیان فرمایا۔

ایک لفظ کے مرادف اور مشاکل جتنے الفاظ قرآن مجید میں وارد ہیں سب کو اکٹھا کر دینا

اُس وقت عجیب سماں تھا کہ علما عشعش کرتے تھے اور عوام و خواص ہر قسم کے سامعین اپنا اپنا حصہ جدا جدا لے رہے تھے۔

ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ ایسی مشق اور ایسا ملکہ قرآن مجید میں حاصل کرنا کس قدر دشوار کام ہے اور سوا اُس کے جس نے ایسی طولانی زندگی کو قرآن و حدیث کے لئے وقف کر دیا دوسرا کون شخص حاصل کر سکتا ہے۔

پنجاب کا وعظ

پنجاب میں سورہ والعصر کا وعظ بھی آپ نے ایسا ہی کہا تھا جو آج تک پنجابیوں میں بے مثل و بے نظیر تسلیم کیا جاتا ہے۔

منا کا وعظ

منا[عہ] میں تین شبانہ روز برابر جو آپ نے وعظ کہے اور جس کے سبب سے مکہ معظمہ میں اس قدر دار وگیر کی نوبت آئی وہ آپ کی تمام زندگی کے وعظوں میں نہایت ہی مہتم بالشان وعظ تھے۔ جس میں ہر وقت سر بکف رہتے اور رفقا کے سمجھانے پر فرماتے کہ امام نسائی یہیں شہید ہوئے تھے میں بھی مرنے ہی کے لئے آیا ہوں بہت جی چکا اور بہت پڑھا چکا۔

اراکین قلعہ سے تعلق اور اُن کا خیال شیخ کی نسبت

ابتدا سے انتہا تک آپ نے ملازمت کا خیال تو کبھی کیا ہی نہیں بلکہ اقتداءً للاساتذہ ملازمت کو اپنے خلاف شان سمجھتے رہے مگر صاحب عالم میرزا فخر الدین عرف میرزا فخرو ولیعہد بہادر شاہ بادشاہ کو آپ سے کمال عقیدت تھی وہ ہمیشہ آپ سے مسئلہ پوچھتے اور اس خصوص میں اُن کی تشفی آپ ہی سے ہوتی یوں تو دوسرے علما سے بھی دریافت کیا کرتے تھے مگر آپ کا قول اُن کے لئے قول فیصل کا حکم رکھتا تھا عرب و مصر سے جن کتابوں کے منگانے کی ضرورت ہوتی وہ بھی اُنہیں کے ذریعہ سے آتی رہتی تھیں۔

میرزا فخر الدین ولیعہد بہادر شاہ کی عقیدت

مباحثے اور مناظرے کے حدود

میاں صاحب اکثر فرماتے کہ مباحثے اور مناظرے کے مناسب حدود

[عہ] اس کا مفصل قصہ سفر حج کے باب میں آئندہ آئے گا ناظرین اُس کو ملاحظہ فرمائیں ۱۲

مباحثے اور مناظرے کے حدود

جا بیٹھیں امام جی کے حجرہ میں شہزادہ فخرو کے سامنے ہر جمعہ کو مفتی صدر الدین خاں سے بحثیں دل چسپ غدر سے پہلے ہوا کرتی تھیں - اور وہ بحثیں نہایت لطف و مذاق کے ساتھ تھیں - اب جس کو دیکھو - تو تو - میں میں کرتا آستینیں چڑھتی رہتی ہیں تھکا فضیحتی ایسی ہوتی ہے کہ معاذ اللہ معاذ اللہ - ولی عہد کے علاوہ بہادر شاہ بادشاہ سے بھی آپ کی اچھی ملاقات تھی چنانچہ غدر وغیرہ کے حالات میں اس کا ذکر بھی آئے گا -

نواب قطب الدین خاں نے اُلّو کو حلال لکھا

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ نواب قطب الدین خان مرحوم نے اپنے کسی رسالہ میں لکھا کہ "اُلّو حلال ہے" مولوی کریم اللہ صاحب نے جو اُن کے مخالف تھے وہ رسالہ بادشاہ کو دکھلایا اور کہا کہ مولوی قطب الدین "اُلّو کو حلال" لکھتے ہیں بادشاہ کو بھی تعجب ہوا بادشاہ نے کہا کہ "اچھا میں اُن کو مناظرے کے لئے بلاتا ہوں"

بادشاہ نے مولوی کریم اللہ سے مناظرے کے لئے طلب کیا

نواب قطب الدین خاں کا ایک خط جو مضطربانہ حالت کا لکھا ہوا تھا نماز عشا کے بعد **میاں صاحب** کے پاس پہنچا کہ شام کو شاہی چوبدار آکر کہہ گیا ہے کہ کل صبح کو حضور میں طلبی ہے مناظرہ ہوگا

نواب قطب الدین خاں کا مضطربانہ خط

میاں صاحب نے جواب دیا کہ انشاء اللہ میں سویرے پہنچوں گا - خود فرماتے تھے کہ مسائل متنازعہ فیہا میں اٹھائیس ۲۸ کتابوں کی سند نکالی اور کتابوں کو چھکڑے پر لدوا کر نواب صاحب کو لیتا ہوا دربار میں پہنچا یاروں کو خبر لگ گئی اب کون آتا ہے نو بجے تک ٹھیرا آخر بہادر شاہ نے چار روپیہ کی مٹھائیاں منگوا کر ہمارے ساتھ کر دیں ہم دونوں آدمی طلبہ سمیت بادشاہ سے رخصت ہوئے -

اٹھائیس کتابوں میں سند نکال کر لے جانا دربار میں پہنچنا حریفوں کی غیر حاضری اور رخصت

قلعہ میں ایک شخص کے ہاں اُس وقت دعوت تھی ہم لوگ وہاں گئے اور کتابوں کا چھکڑا روانہ کر دیا اتفاق سے تین کتابیں (عالمگیری - برجندی اور طحطاوی) طلبہ کے ہاتھوں میں رہ گئیں کھانا کھا ہی رہا تھا - کہ چوبدار شاہی نے آکر کہا کہ حضور نے صرف نواب قطب الدین خاں صاحب کو یاد کیا ہے - نواب صاحب گھبرائے میں نے ترش روئی کے لہجہ میں چوبدار سے کہا کہ کیا بادشاہ نے یہ بھی کہا ہے ؟ کہ میں وہاں نہ جاؤں اچھا چلو میں حضور سے خود پوچھتا ہوں چوبدار میرے اس کہنے پر کچھ گھبرایا میں سمجھ گیا کہ "صرف نواب قطب الدین خاں" کا لفظ یاروں کی

پھر دوبارہ طلبی

چالاکی ہے۔

قصہ کوتاہ ہم اور نواب صاحب پہنچے دیکھا کہ مولوی کریم اللہ صاحب مع اپنے اعوان کے دربار میں بیٹھے ہیں۔

آغاز مناظرہ مولوی کریم اللہ کا سوال

پہلی بات مولوی کریم اللہ صاحب نے یہ پیش کی "اُلو حلال ہے یا حرام" میں نے تینوں کتابیں عالمگیری۔ برجندی اور طحطاوی یکے بعد دیگرے نکال کر حکیم امام الدین خاں صاحب طبیب شاہی (جن کا رسوخ قلعہ میں وزیروں کے برابر تھا) کے سامنے رکھ دیں اور کہا کہ آپ پڑھ کر حضور کو مطلب سمجھا دیں اُن کتابوں میں تو لکھا تھا البوم یوکل والخفاش لا یوکل حکیم صاحب نے بادشاہ کو سمجھا دیا

میاں صاحب کا جواب

اس کے بعد میں نے کہا کہ میں اٹھائیس ۲۸ کتابیں لایا تھا۔ اور حضور نے کتابوں کا پشتارہ ملاحظہ بھی فرمایا تھا۔ مگر چونکہ اُس وقت کوئی نہیں آیا اور بعد انتظار بسیار حضور نے رخصت کر دیا اس لئے زیادہ کتابیں میں نے واپس کر دیں یہ تین کتابیں اتفاقیہ طور پر طلبہ کے ہاتھوں میں رہ گئیں ورنہ اٹھائیس ۲۸ کتابیں پیش کرتا۔

مولوی کریم اللہ سے سند حرمت کا مطالبہ اور رسالہ صیدیہ کا ذکر

بہرکیف میں نے تو یہ تین مشہور اور معتبر کتابوں میں دکھا دیا اب میرے حریف جو حرام کہتے ہیں وہ اپنی سند پیش کریں مولوی کریم اللہ صاحب نے کہا کہ " اس کو رسالہ صیدیہ میں حرام لکھا ہے" میں نے پوچھا یہ کتاب کس زبان میں ہے اور مصنف اِس کا کہاں کا رہنے والا اور کس طبقہ کا عالم ہے مولوی کریم اللہ صاحب نے کچھ جواب نہ دیا تب میں نے کہا کہ اچھا مجھ سے سنئے یہ رسالہ فارسی زبان میں ہے اور مصنف اس کا ولایتی ہے کوئی مشہور اور معتبر عالم نہیں۔ میں نے جس پایہ کی کتابیں پیش کی ہیں اُس کی ہم پایہ کوئی کتاب لائیے۔ حکیم امام الدین خاں صاحب نے بھی کہا کہ بے شک جیسی کتابیں انہوں نے پیش کی ہیں ویسی ہی آپ کو بھی

مولوی کریم اللہ کا غصہ اور اس کا جواب

لانا چاہئے مولوی کریم اللہ صاحب نے جواب دیا کہ میں کیا جانتا تھا کہ اُلو کا مسئلہ وہاں پیش ہوگا میں نے جواب میں کہا تو کس اُلو نے اس کو پیش کیا مولوی کریم اللہ

بادشاہ کو برانگیختہ کرنا

صاحب کچھ برافروختہ ہو کر بادشاہ سے کہنے لگے کہ یہ " مولوی قطب الدین حضور کو کافر لکھتے ہیں"

بادشاہ کا حلم و اخلاق

بادشاہ نے نہایت اخلاق سے نواب صاحب کی طرف خطاب کر کے کہا کیوں

مولوی کریم اللہ کے اتہام کی تفصیل اور اُس کا جواب

بھائی قطب الدین ہم کافر ہیں ؟ نواب صاحب قسمیں کھانے لگے کہ نہیں حضور ہم نے ہرگز ایسا نہیں لکھا ہے میں نے کہا کہ حضور مجھ سے اس کی حقیقت سنیں حضور کو معلوم ہے کہ فتاواے عالمگیری آپ کے بزرگوں کی کتاب ہے اُس میں ایک باب ہے کتاب الردۃ جس میں لکھا ہے "اس زمانہ کے بادشاہوں کو جو عادل کہے وہ کافر ہے کیوں کہ عدل شرعی کہاں متصور ہے" اِس باب کا ترجمہ مولوی قطب الدین نے اُردو میں کیا ہے توکیا حضور فتاوی عالمگیری کی تالیف کے وقت موجود تھے ؟ حضور اگر اُس وقت موجود ہوتے تو البتہ اس کے مورد ہوتے۔

بادشاہ نے کہا یہ تو دوسری بات ہے میں نے کہا کہ بات یہی ہے جس کا عنوان بدل کر حضور میں یوں ظاہر کی گئی۔

گورنمنٹ انگلشیہ کے ساتھ وفاداری

(لوایلٹی)

حج کو جاتے وقت جو چٹھی کمشنر دہلی وغیرہ نے میاں صاحب کو دی تھی اُس کی نقل سفر حج کے بیان میں ہدیۂ ناظرین کی جائے گی مگر اسی کے ساتھ یہ بتادینا بھی ضرور ہے کہ میاں صاحب بھی گورنمنٹ انگلشیہ کے کیسے وفادار تھے۔

زمانۂ غدر کے جہاد کے فتوے پر میاں صاحب نے دستخط نہیں کیا

زمانۂ غدر ۱۸۵۷ء میں جب کہ دہلی کے بعض مقتدر اور بیشتر معمولی مولویوں نے انگریزوں پر جہاد کا فتوے دیا تو میاں صاحب نے نہ اُس پر دستخط کیا نہ مُہر۔ وہ خود فرماتے تھے کہ "میاں وہ ہلڑ تھا۔ بہادر شاہی نہ تھی وہ بیچارہ بوڑھا بہادر شاہ کیا کرتا۔ حشرات الارض خانہ برانداز وں نے تمام دہلی کو خراب، ویران، تباہ، اور برباد کر دیا۔ شرائط امارت وجہاد بالکل مفقود تھے ہم نے تو اُس فتوے پر دستخط نہیں کیا مُہر کیا کرتے اور کیا لکھتے مفتی صدر الدین خاں صاحب چکر میں آگئے"

بہادر شاہ کو بہت سمجھایا کہ انگریزوں سے لڑنا مناسب نہیں ہے

بہادر شاہ کو بھی بہت سمجھایا کہ انگریزوں سے لڑنا مناسب نہیں ہے مگر وہ باغیوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی ہو رہے تھے کرتے تو کیا کرتے۔

اُسی زمانہ میں جب کہ تمام شہر محصور اور قلعہ بند ہو رہا تھا آپ قلعہ میں گئے

دیکھا کہ شاہزادوں کے ہاتھیوں کے جھول نہایت ہی پُرتکلف تیار ہورہے ہیں اور سب بے فکرے شاہزادے سامنے پیچوان لگائے گپ لڑارہے ہیں آپ نے بہادر شاہ سے جاکر کہا کہ کیا حضور انہیں شاہزادوں کو ہاتھیوں پر ساتھ لے کر انگریزوں سے لڑیں گے اِس پر بادشاہ چُپ ہوگئے۔

شاہزادے بے فکرے

ایک دن دیکھا کہ دس میم اور ایک لڑکی گرفتار ہوکر قلعہ میں لائی گئی سب ایک صف میں بیٹھلائی گئیں۔ صوبہ دار نالایق نے سب کو مار ڈالنے کا حکم دیا اُس لڑکی کی ماں بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ لڑکی نے ماں کو تسلّی دی اور ایک چٹکی خاک زمین سے اُٹھاکر ہتیلی پر رکھ کر پھونک کر کہا "ماں روتی کیوں ہے ہماری فوج آئے گی اور اسی طرح ان سب کو اُڑادے گی"

دس میم کا قتل

میاں صاحب کے دل پر اس نظارہ کا صدمہ ایسا ہوا کہ آبدیدہ ہوکر اُسی وقت قلعہ سے یہ کہتے ہوئے نکلے کہ اب دہلی اور اہل دہلی کی خیر نہیں ہے۔ عورتوں کا قتل اسلام نے کبھی جائز نہیں رکھا۔

عین حالت غدر میں جب کہ ایک ایک بچہ انگریزوں کا دشمن ہو رہا تھا مسز لیسنس ایک زخمی میم کو رات کے وقت میاں صاحب اُٹھوا کر اپنے گھر لے آئے پناہ دی، علاج کیا کھانا دیتے رہے اُس وقت اگر ظالم باغیوں کو ذری خبر بھی ہو جاتی تو آپ کے قتل اور خانماں بربادی میں مطلق دیر نہ لگتی۔ طرہ اُس پر یہ تھا کہ پنجابی کٹرہ والی مسجد کو تغلباً باغی دخل کئے ہوئے تھے اور اُسی سے ملا ہوا زنانہ مکان تھا اُسی میں اس میم کو چھپائے ہوئے تھے مگر ساڑھے تین مہینے تک کسی کو یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ حویلی کے مکان میں کتنے آدمی ہیں ساڑھے تین مہینوں کے بعد جب پوری طرح امن قائم ہو چکا تب اُس نیم جاں میم کو جو اَب بالکل تندرست اور توانا تھی انگریزی کیمپ میں پہنچا دیا جس کے صلے میں مبلغ ایک ہزار تین سو روپیہ اور سند جہ ذیل سارٹیفکٹیں ملیں۔

مسز لیسنس کا قصہ

میاں صاحب اس واقعہ کو خود اس طرح فرماتے تھے کہ "اُس زمانہ میں ایک دن نماز عصر کے بعد شہر سے باہر چلا گیا ملا محمد صدیق پشاوری جو اُس وقت مجھ سے اُصول فقہ پڑھتا تھا ساتھ تھا۔ مجھ کو کسی آدمی کے کراہنے کی آواز معلوم

ہوئی۔ میں اُس آواز کی جانب بڑھا جب قریب پہنچا تو دیکھا کہ ایک میم مجروح رو رہی ہے ہم لوگوں کو دیکھ کر کہنے لگی کہ خدا کے واسطے میری جان مت مارو میں نے اُس کو دلاسا دیا اور کہا کہ ہم مسلمان ہیں ہمارے مذہب میں لڑائی کے وقت بھی کسی غنیم کی عورت اور بچوں کی جان مارنا یا تکلیف دینی حرام ہے۔ تم اپنی جان سے پوری طرح اطمینان رکھو اور اگر تمھاری مرضی ہو تو ہم تم کو اپنے گھر لے چلیں اور تمھارے زخم کا علاج اور تیمار داری کریں مگر چونکہ وہ بہت ہی ڈری ہوئی تھی کہنے لگی کہ اوّل تو ہم اپنے پانوں سے چل نہیں سکینگے اور تم لوگ اگر اُٹھا کر لے بھی چلو تو باغیوں کی گولی سے بچ نہیں سکتے میں نے کہا کہ اچھا ہم لوگ تم سے کچھ دور پر ٹھہرتے ہیں رات کو اندھیرے میں تم کو اُٹھا کر لے چلیں گے۔ آخر یہی ہوا کہ اندھیرے میں ہم اور ملا صدیق اُٹھا کر اس کو ایسے رستہ سے لائے کہ کسی فرد بشر کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی۔ اور گھر میں لے جا کر شریف حسین کی ماں سے کہا کہ یہ نہایت مظلوم ہے اس کی بہت دل جوئی اور خدمت کرنی چاہیئے کہ موجب خوشنودی خدا اور رسول ہے اُس میم کو میں نے باغیوں کے باہر رہنے کی خبر بھی نہ دی کیوں کہ خبر ہو جانے پر اُس کے وہ ساڑھے تین مہینے نہایت ہی تشویش اور خوف کی حالت میں بسر ہوتے فرماتے کہ "موسم سخت گرمی کا تھا اور وہ دن رات ایک کوٹھری میں بند رہتی۔ ہر چند میری اہلیہ اُس کو کہتیں کہ رات کو انگنائی میں آکر بیٹھو مگر وہ ڈر سے کوٹھری کے باہر نہ آتی اور اُسی گرمی اور مچھڑوں کی تکلیف میں رات بھر ہاتھ اُٹھائے دعا کرتی کہ اے اللہ میرا قصور معاف کر۔

انگریزی سرٹیفکٹ کی نقل معہ ترجمہ

انگریزی سرٹیفکٹ کی نقل معہ ترجمہ

انگریزی سرٹیفکٹ کی نقل	ترجمہ
Delhi Dated 27th September 1877	دہلی مورخہ ۲۷ستمبر ۱۸۷۷ء از
From W. G. Waterfield, Offg	ڈبلو. جی واٹر فیلڈ
Commissioner.	افی شیٹنگ کمشنر
Moulvi Nazeer Husain	مولوی نذیر حسین اور اُن کے بیٹے
& his son moulvi shariff Husain	مولوی شریف حسین اور اُن کے دوسرے

گھروالے غدر کے زمانے میں مسز لیسنس کی جان بچانے میں ذریعہ ہوئے حالت مجروحی میں اُنھوں نے اُن کا علاج کیا ساڑھے تین مہینے اپنے گھر میں رکھا اور بالآخر دہلی کے برٹش کیمپ میں اُن کو پہنچا دیا۔	Were with other members of their familly instrumental in saving the life of mrs. Leesons during the mutiny they tended her when. Wounded kept her in their house for 3½ months finally sent her in to the British camp at Delhi.
وہ کہتے ہیں کہ اُن کی انگریزی سرٹیفکیٹیں ایک آتش زدگی میں جو اُن کے مکان واقع دہلی میں ہوئی تھی جل گئیں۔	He says that he has lost in a fire wich took place in his house in Delhi all his English certificates
میں خیال کرتا ہوں کہ یہ اُن کا کہنا بہت ہی قرین امکان ہے غالباً اُن کو جنرل نیوائل چمبرلین جنرل برنارڈ اور کرنل سائٹر وغیرہم سے سرٹیفکیٹیں ملی تھیں۔	I think this is exctremely probable, he probably had certificates from General neville chamberlain, and General Burnard, colonel sytter and others.
مجھ کو وہ واقعات اور مسز لیسنس کا کیمپ میں آنا اچھی طرح یاد ہے	I remember the facts well, and mrs Leesons, Comingin to camp.
اِن لوگوں کو اس خدمت کے صلہ میں مبلغ دوسو اور چار سو روپیہ ملے تھے مبلغ سات سو روپیہ بابت تاوان منہدم کئے جانے مکانات کے ان لوگوں کو عطا کئے گئے تھے۔ یہ لوگ ہماری قوم سے حسن سلوک اور لطاف کے مستحق ہیں۔	The family received a handsome reward of

	Rs. 400 - Rs. 700 compensation for the dimolition of houses bestowed upon them. The family all deserv consideration, and kindness at our Hands.
مورخہ ۱۷ ستمبر ۱۸۸۱ء از میجر جی ای ینگ کمشنر میں نے اُس سرٹیفکیٹ کی اصل کو ملاحظہ کیا ہے اور مسز لیسن سے بھی مجھ کو وہ حالات معلوم ہوئے ہیں جو اُس میں مندرج ہیں۔ امر قرین امکان ہے کہ مولوی نذیر حسین اور شریف حسین کے بیان کئے ہوئے حالات نے مخالفوں کو اُن کا دشمن بنا رکھا ہے۔	Dated 17th September, 1881 From Major G. E. Young Commissioner. I have seen the original of this certificate and also learned from Mrs. Leeson the fact herein mentioned. It is probable that the fact stated by Moulvi Nazir Husain and Shariff Husain has made them enemies among disaffected persons.

ہندوستان دار الامان ہے

ہندوستان کو ہمیشہ میاں صاحب دار الامان فرماتے تھے دار الحرب کبھی نہ کہا۔

سلطان روم کے ساتھ ہم دردی

سلطان روم خلد اللہ ملکہ کے ساتھ بھی بہ لحاظ اخوت اسلامی آپ کو غایت درجہ کی ہم دردی تھی چنانچہ اخیر جنگ روم و روس جو ۱۸۷۷ء مطابق ۱۲۹۴ھ میں ہوئی

تھی۔ میاں صاحب نے نماز پنجگانہ میں قنوت پڑھنے کا فتوےٰ لکھا اور اُس کو چھپوا کر شائع کیا۔ اور اپنی مسجد میں بالالتزام فریضہ پنجگانہ میں قنوت پڑھوایا جب تک جنگ جاری رہی۔

راولپنڈی کی نظربندی

وہابیت کا مقدمہ

وہابیت (بغاوت) کا مقدمہ سنہ ۱۸۶۴ء، سنہ ۱۸۶۵ء مطابق سنہ ۱۲۸۰، ۱۲۸۱ھ میں جب ہندوستان کے اکثر شہروں پٹنہ، داناپور، میرٹھ، انبالہ وغیرہ وغیرہ میں چلایا گیا تو بیشتر ماخوذین کے لئے حبس دوام لعبور دریائے شور کا حکم دیا گیا۔ جناب مولوی یحییٰ علی و مولوی احمد اللہ صاحبان مہدانوی صادق پوری عظیم آبادی (جنھوں نے انڈمان ہی میں وفات پائی) کے مقدمہ کی لپیٹ میں میاں صاحب پر بھی مواخذہ ہوا جو صرف مخبروں کی غلط خبررسانی اور اہل کاروں کی غلطی پر مبنی تھا۔ اور آپ تا تحقیقات کامل کم و بیش ایک برس تک راولپنڈی کے جیل میں نظربند رہے۔

مخبروں کی غلط خبررسانی

میاں صاحب کے مکان اور مسجد کی تلاشی

دہلی میں میاں صاحب کے مکان اور مسجد کی جب تلاشی ہوئی تو دوسروں کے بھیجے ہوئے خطوط بہ تعداد کثیر بے ٹھکانے دری پر چٹائی پر دری کے نیچے چٹائی کے نیچے چارپائی کے نیچے کتابوں میں پڑے ہوئے پائے گئے پوچھا گیا کہ آپ کے ہاں اس قدر بہ کثرت خطوط کیوں آتے ہیں؟ آپ نے کہا کہ وجہ اِس کی تو بھیجنے والوں سے پوچھنی چاہئے یا اُن خطوط میں دیکھنا چاہئے۔ میرے خیال میں یہ بات ہے کہ سرکار نے خط کا محصول بہت کم آدھ آنہ رکھا ہے اس لئے لوگ دو پیسے دے کر خط بھیج دیتے ہیں[عہ]۔ دیکھئے اس میں کوئی خط بیرنگ نہیں ہے سب پیڈ ہیں۔

خطوط جو پڑھے گئے تو اُن میں اس کے سوا کیا دھرا تھا کہ فتوے کا سوال

عہ میاں صاحب کی یہ رائے کہ کمی محصول کے سبب سے زیادہ خطوط آتے ہیں نہایت ہی صحیح ثابت ہوئی کیوں کہ جب پوسٹ کارڈ جاری ہوا اُس کے چند سال بعد انسپکٹر جنرل پوسٹ آفس کی رپورٹ اس مضمون کی شائع ہوئی تھی "پوسٹ کارڈ کے جاری ہونے سے ڈاکخانہ کی آمدنی میں معتد بہ اضافہ ہو گیا ہے پہلے لوگ آدھ آنے محصول کے سبب سے کم خط بھیجتے تھے اب کہ ایک پائی محصول ہے خطوط کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے"

ذیل میں درج ہے۔ حضور اُس کا جواب جلد بھیج دیں فلاں مسئلے میں کیا حکم ہے؟ فلاں کتاب کی فلاں عبارت کا صحیح مطلب کیا ہے؟ فلاں موضوع پر متقدمین کی بھی کوئی تصنیف ہے؟ فلاں کتاب بھیج دیں؟ وغیرہ وغیرہ اسی قسم کے مضامین تھے ایک خط میں لکھا تھا کہ "نخبۃ الفکر (کتاب) بھیج دیجیے"

مخبر نے کہا کہ "یہی سب ان لوگوں کے اصطلاحی الفاظ ہیں" میاں صاحب کو بھی جلال آ گیا فرمانے لگے نخبۃ الفکر کیا؟ توپ، نخبۃ الفکر کیا؟ بندوق، نخبۃ الفکر کیا؟ گولہ بارود۔ پھر مجسٹریٹ سے آپ نے کہا کہ صاحب آپ نے میرا مقدمہ کس جاہل کے سامنے پیش کیا ہے آپ اپنے کسی یورپین یا دیسی عالم سے دریافت کیجیے کہ نخبۃ الفکر کتاب کا نام ہے یا نہیں اور اس کتاب کا موضوع کیا ہے۔

الغرض بعد تحقیقات کامل یہ بات روز روشن کی طرح کھل گئی کہ ان پر مواخذہ محض ناجائز ہے۔ اور یہ بالکل بری الذمہ ہیں اس لئے رہا کر دئے گئے۔ یہ باتیں

ظاہر و باطن برابر تھا

ہیں جو میاں صاحب کے ظاہر و باطن کے یکساں ہونے پر دلالت کرتی ہیں وہ جس طرح غدر ۱۸۵۷ء میں مسز لیسنس کی جان بچانے سے وفادار ثابت ہوئے تھے اُسی طرح ۱۸۶۴ و ۶۵ء کے مقدمہ بغاوت میں بھی بے لگاؤ ٹھیرے۔

نظر بندی کا فائدہ

نظر بندی میں ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ کتب بینی کا خوب موقع ملا کتب خانہ سرکاری سے کتابیں منگوانے کی اجازت مل گئی تھی اور وہاں بخاری کا ایک سبق پڑھانے کے سوا کوئی کام نہ تھا جی بھر کے مطالعہ کیا۔

عطاء اللہ نام طالب علم جو آپ کے ساتھ تھے اُنہوں نے باطمینان تمام سبقاً سبقاً بخاری پڑھ ڈالی اور قرآن مجید بھی حفظ کر لیا۔

میر عبدالغنی رح ساکن سورج گڈھ جو نہایت ہی پرہیزگار عابد اور نیک بزرگ آپ کے ساتھ جیل میں تھے اُنہوں نے جیل ہی میں وفات پائی آپ نے اپنے ہاتھ سے اُن کی تجہیز و تکفین کی اور نماز جنازہ خود پڑھائی۔

میاں صاحب کی اہلیہ کی وفات

۱۴۔ رمضان ۱۲۸۷ھ مطابق ۸۔ دسمبر ۱۸۷۰ء جمعرات کے دن آپ کی

وفادار بی بی نے انتقال کیا۔

سفر حج اور اُس کے واقعات

سنہ ۱۳۰۰ھ میں جب میاں صاحب نے حج کا ارادہ مصمم کر لیا تو اِس خیال سے کہ مخالفین ایذارسانی میں کچھ کم حصہ نہیں لیں گے اور یہ موقع اُن کے لئے اوقات مغتنمہ سے ثابت ہوگا آپ نے کمشنر دہلی سے ملاقات کر کے حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ طیبہ و روضہ مطہرہ سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارادہ ظاہر کیا۔ کمشنر دہلی نے آپ کو ایک چِٹھی مورخہ ۱۰ اگست سنہ ۱۸۸۳ء دی جس کی بجنسہ نقل مع ترجمہ اُردو ہدیہ ناظرین ہے۔

کمشنر دہلی کی چِٹھی مع ترجمہ

کمشنر دہلی کی چِٹھی

Moulvi Nayir Hosain. is a Leading moulvi in Deli Who is difficult times proved his Loyalty to the British government and in his pilgri mage to Mecca I hop any British officers Whose pelp or protection he may nad, Will afford it to him as he most fully deserves it

Signed J. D. Tremlett
B. C. S. commissioner
& Sup dt Delhi Division
August 10th 1883.

ترجمہ

مولوی نذیر حسین دہلی کے ایک بڑے مقتدر عالم ہیں۔ جنہوں نے نازک وقتوں میں اپنی وفاداری گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ ثابت کی ہے اب وہ اپنے فرض زیارت کعبہ کے ادا کرنے کو مکہ جاتے ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ جس کسی برٹش گورنمنٹ افسر کی وہ مدد چاہیں گے وہ اُن کو مدد دے گا کیوں کہ وہ کامل طور سے اس مدد کے مستحق ہیں۔

دستخط جے ڈی ٹریملٹ بنگال سروس کمشنر دہلی و سپرنٹنڈنٹ
۱۰۔ اگست سنہ ۱۸۸۳ء

مسٹر لیسنس کی چٹھی

دوسری چٹھی مسٹر لیسنس[1] نے بنام کونسل مقیم جدہ کے دی جس میں آپ کی خیرخواہی زمانۂ غدر کا مفصل بیان تھا اُنھوں نے یہ بھی جتا دیا تھا کہ اُن کے مخالفین بھی بہت ہیں اور اُن میں سے بعض مکہ معظمہ میں یہاں سے بھاگ کر مقیم ہوگئے ہیں۔ مسٹر لیسنس نے یہ بھی استدعا کی تھی کہ برٹش گورنمنٹ کانسل کا فرض ہے کہ اِن کو اِن کے مخالفین کے شروفساد سے بچائے۔ یہ چٹھی برٹش کانسل مقیم جدہ (مکتوب الیہ) نے اپنے پاس رکھ لی۔

مکہ معظمہ کی روانگی

الغرض یہ دونوں چٹھیاں لے کر آپ دہلی سے رہ نورد مکہ معظمہ زاد اللہ تشریفاً ہوئے۔

مخالفین کی روانگی بمبئی کا واقعہ

مخالفین کو جب روانگی کا حال معلوم ہوا تو چند اشخاص کو مختلف مواضع پنجاب، دیوبند، بدایوں، اور خود دلّی سے گلابی چو ورقہ کے ساتھ روانہ کیا اور اُن لوگوں نے بمبئی پہنچ کر وہاں کے مولویوں کو اپنے منصوبوں میں شریک کر گئے اور چو ورقہ کے سوالات پر اور کچھ ہذیانات اضافہ کر کے **میاں صاحب** کے روبرو پیش کیا۔ غرض اصلی مخالفین کی صرف اشتعال طبع تھی اور ہر طرح کی نزاع کا بڑھانا۔ **آپ** اُن کی غرض کو سمجھ گئے اور جب اُن سوالات کو پڑھوا کر سنا تو علانیہ فرمادیا کہ یہ سب باتیں مجھ پر بہتان ہیں اور میں اُن کے معتقد کو کافر سمجھتا ہوں۔

بمبئی میں جہاز پر سوار ہونا

جب **آپ** بمبئی میں جہاز پر سوار ہوئے تو مخالفین بھی اُسی اسٹیمر میں روانہ ہوئے اور وہاں بھی چھیڑ چھاڑ سے باز نہ آئے بلکہ ہمیشہ ہر قسم کی ایذا رسانی کی تاک میں لگے رہے مگر **آپ** نے بفحوائے وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ کسی کو بھی کبھی منہ نہ لگایا۔ اور اُن لوگوں کو بھی اپنی کسی سازش میں کامیابی نہیں ہوئی۔ زیادہ تر وجہ اس کی

برٹش کانسل مقیم جدہ نے آپ کا اعزاز کیا

یہ تھی کہ ان مخالفین کو برٹش کانسل مقیم جدہ کا ڈر لگا ہوا تھا جس نے چٹھیوں کے دیکھنے کے بعد **آپ** کی بہت تعظیم و تکریم کی اور جب تک جہاز کامران میں رہا وہ ہر روز **آپ** کی ملاقات کے لیے آتا رہا۔ مگر افسوس کہ وہ کامران ہی میں مفسدین سوڈان کے ہاتھوں سے قتل ہوگیا۔ اگر وہ جدہ میں واپس آتا تو یقیناً مکہ معظمہ کے

[1] زمانہ غدر میں میاں صاحب نے ان کی میم کی جان بچائی تھی اور ساڑھے تین مہینوں تک اپنے گھر میں پناہ دی تھی ۱۲

معاملات میں نہایت قیمتی امداد کرتا۔

مکہ پہنچنا

مخالفین کا مقصد قتل یا حبس دوام

مخالف کمیٹی کا قائم ہونا

جب آپ مکہ مکرمہ پہنچے تو معاندین بھی وہاں جا دھمکے جن کا دو مقصد تھا۔
(۱) قتل محدث دہلوی (۲) حبس دوام۔ مگر کام تھا مشکل اس لئے باضابطہ اور بہ مشورہ کارروائی کے لئے حریفان تازہ وارد اور ہندی مکیوں کی ایک کمیٹی قائم ہوئی جس میں علاوہ پریسیڈنٹ کے تین چار سو ممبر شامل تھے (چونکہ اس کمیٹی کے اکثر ممبر اور پریسیڈنٹ مر چکے ہیں اس لئے ہم اُن کا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتے اور جو اَب تک موجود ہیں اُن کی پردہ دری بھی مناسب نہیں سمجھتے)

اب یہ کمیٹی نہایت غور و فکر کے ساتھ اپنی کارروائی میں مصروف ہوئی اور اپنی پولیٹکل چال سے اندرونی سازشوں کی بندشوں کو مضبوط کرتی رہی۔

تین رات دن تک برابر منیٰ میں وعظ کہنا

زمانۂ حج میں میاں صاحب اپنے زمانۂ قیام منیٰ کے تینوں دنوں میں (جہاں ساری دنیا کے بلاد مختلفہ کے لاکھوں آدمیوں کا ازدحام تھا) اس دھڑتے سے وعظ و تذکیر عربی و فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں رات دن کرنے لگے جس کی کوئی حد نہیں رہی نماز پنجگانہ اور تہجد کا وقت مجرا دیگر تمام اوقات کو وعظ و تذکیر ہی کے مشغلہ سے لبریز کر دیا اور سارے وعظ کا خلاصہ شرک و بدعت سے اجتناب اور عمل بالحدیث کی ترغیب رسومات بد کی موشگافی اور خاص اہل مکہ کی بدعتوں کی اصلاح کا بیان تھا۔

وعظ کا خلاصہ

ایک حاجی کا خط

راقم کو ایک حاجی کے نہایت معتبر خط کے ذریعہ سے معلوم ہوا تھا جس کی عبارت بجنسہ یہ ہے۔

"میاں صاحب نے تین روز منیٰ میں قیام کیا اور شب و روز وعظ بیان کیا سب بدعت کا رد کیا میں نہیں سمجھتا کہ کسی نے بعد تابعی کے ایسا کیا ہو"

میاں صاحب کا وعظ سے باز نہ آنا

میاں صاحب کے رفقا اور خدام نے جب دیکھا کہ اس قسم کے وعظ سے دشمنوں کی آتش عداوت و حسد پر کروسن آوائل (مٹی کا تیل) کا چھڑکاؤ ہو رہا ہے۔ تو بمنت و سماجت عرض کیا کہ حضور اب وعظ بند فرماویں۔ مخالفین کی سازش بہت گہری ہو چکی۔ اب جان کی خیر نظر نہیں آتی، اس کے جواب میں میاں صاحب نے صاف کہہ دیا کہ سنو صاحب بہت جی چکا اب زندگی کی تمنا نہیں ہے امام نسائیؒ

شہادت پر آمادگی

بھی مکہ ہی میں شہید ہوئے تھے اُسی حرم میں جہاں کہ میرے قتل کا منصوبہ ہو رہا ہے میں ہر وقت اپنے قتل پر آمادہ ہوں مگر تبلیغ سے (اُس آخری لفظ تک جو میرے مُنہ سے نکلے گا) باز نہ آؤں گا۔

بعد فراغ حج کے آپ کے جان نثار شاگرد اور رفیق مولوی تلطف حسین صاحب محی الدین پوری عظیم آبادی ثم الدہلوی نے باصرار عرض کیا کہ یہ کمیٹیاں جو رات دن ہمارے لئے ہو رہی ہیں بغیر اپنا اثر دکھائے نہ رہیں گی آپ فریضۂ حج ادا کر چکے بہتر ہے کہ اب بہت جلد وطن واپس چلے چلیں مگر شیخ تو اتباع سنت کے عاشق اور عمل بالحدیث کے لئے مخلوق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر جان دیدینے والے تھے وہ بغیر مدینہ منورہ حاضر ہوئے گھر کیوں کر واپس آسکتے تھے اُن کی

مدینہ منورہ کا عزم بالجزم

رسول خدا صلعم کے ساتھ تو یہ حالت تھی ؎

یا مِن ناصبور را پیش خود از وفا طلب	یا کہ تو پاک دامنی صبر من از خدا طلب
درد تو می کشد مرا یا بہ کرم دوا کنش	یا قدرے فزوں ازیں تا نہ کنم دوا طلب
خدا شاہد ہے الفت غیر سے رکھے تو کافر ہو	تمھیں پر جان دیتے ہیں تمھیں پر دم نکلتا ہے

اور مرنے یا مارے جانے سے کوئی ایسے شخص کو کیا ڈرائے گا جس کا قول یہ ہو

؎

بنا کردند خوش رسمے بہ خاک و خون غلطیدن	خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را
؎ کشتگان خنجر تسلیم را	ہر زماں از غیب جانے دیگر ست

۲۳-ذی الحجہ ۱۲۷۰ھ کے واقعات

۲۳ - ذی الحجہ تک آپ بانتظار قافلہ مدینہ طیبہ مکہ معظمہ میں ٹھیرے رہے اور جب مخالف کمیٹی کے ممبروں کو اپنی گھری اور سازشی کارروائیوں پر ہر طرح اطمینان ہو چکا تو اُسی تاریخ کو پاشاء مکہ کے ہاں مخبری کرادی کہ مولوی نذیر حسین معتزلی اور وہابی ہیں اور انہیں نے یہ رسالہ گلابی جو ورقہ اعتزال کی اشاعت کے لئے چھپوا کر شائع کیا ہے جس میں خنزیر کی چربی اور خالہ سے نکاح کو حلال لکھا ہے وغیرہ وغیرہ

پاشا کے دیوان میں طلبی

بہتیرے اتہامات لگائے دس بجے اُسی دن پاشاء مکہ کے ہاں سے تین سپاہی اور ایک افسر محمود آغا نام آپ کی فرودگاہ پر پہنچے اُن کے ہاتھ میں ایک فہرست تھی جس میں چند آدمیوں کے نام درج تھے - (۱) مولوی نذیر حسین (۲) ڈپٹی امداد العلی

(۳) مولوی سلیمان حجاج (۴) مولوی امیرالدین (۵) مولوی جان علی (۶) مولوی محمد (مہاجرین مکہ معظمہ) ۳ سے ۶ تک چار آدمی مہاجر تھے۔ اُنہوں نے پوچھا کہ مولوی نذیر حسین کس کا نام ہے آپ نے جواب دیا کہ میں ہوں اُس افسر نے کہا کہ پاشا کے ہاں آپ کی طلبی ہے اتفاقاً بقیہ پانچ آدمی مندرجہ فہرست اُس وقت وہاں نہ تھے تو اُس نے بلا دریافت کہ بقیہ پانچ آدمی کہاں ہیں مولوی تلطف حسین محمد احمد حفیظ اللہ خدا بخش سید احمد پانچ آدمیوں کو جو وہاں بیٹھے تھے جنہ کی تعداد پوری کر کے لے چلا۔

افسر کی غلطی

مکہ معظمہ میں برٹش کانسل مقیم جدہ کے اسسٹنٹ ایک مسلمان عہدہ دار ڈاکٹر عبدالرزاق تھے میاں صاحب پہلے ہی اُن سے ملے تھے اور چٹھیاں دکھا کر مخالفین کے منصوبوں سے بھی آگاہ کر دیا تھا اسسٹنٹ موصوف نے آپ سے کہا کہ آپ باطمینان تمام اپنے شعائر مذہبی ادا کریں اور کسی سے کوئی تعلق نہ رکھیں اور جب بازپرس کی نوبت آئے تو مجھے فوراً مطلع کریں اور اگر طلبی ہو تو بلا توقف پاشا کے ہاں چلے جائیں۔

اسسٹنٹ برٹش کانسل کی ملاقات

۲۳۔ ذی الحجہ قریب دوپہر کے جب پاشا کے ہاں پہنچے تو اسسٹنٹ برٹش کانسل نے اپنے وکیل محمد یوسف کو پاشا کے پاس بھیج کر دریافت کیا کہ برٹش گورنمنٹ کی رعایا کو آپ نے کیوں عدالت میں طلب کیا ہے؟ پاشا نے جواب میں کہا کہ لوگوں نے اُن کی نسبت اس قسم کی شکایتیں کی ہیں۔ وکیل محمد یوسف نے کہا کہ جن امور کی نسبت شکایتیں کی گئی ہیں اُن امور کے مرتکب یہ اس حدود میں نہیں ہوئے۔ لہٰذا اس سلطنت کا مواخذہ بالکل ناجائز ہے یہ سن کر پاشا نے آپ کو رخصت کر دیا اور یہ آمد و رفت سوال و جواب سب کچھ تقریباً ایک گھنٹہ میں ہو گیا۔

اسسٹنٹ برٹش کانسل اور پاشا سے سوال و جواب

پاشا کے ہاں سے رخصت

شیخ کے مخالفین کو جب اس میں ناکامی ہوئی تو اُنہوں نے پھر ایک آخری کوشش کی۔ ساڑھے تین سو گواہ تیار کر کے پاشا کے سامنے اظہار دلوایا اور

ف۵ وکیل نائب کانسل کا یہ جواب ڈپلومیسی کا ایک مسکت جواب تھا جس میں واقعیت کا لحاظ بہت کم کیا جاتا ہے اور بحث کو فوراً ہی اپنی جگہ پر ختم کر دینا مقصود ہوتا ہے ورنہ جو بہتان آپ پر لگائے گئے تھے وہ خود بہتان محض تھے جس کا مفصل حال ناظرین کو آئندہ معلوم ہو جائے گا ۱۲

دوبارہ طلبی

اُسی دن شام کے وقت پھر آپ کو مع اُن سابق رفیقوں کے طلب کرایا۔ اب کے جو ایک افسر اور ایک سپاہی طلبی کے لئے آئے تو اُنہوں نے بھی کسی سے نام تک نہ پوچھا اور چار آدمی جو اُس وقت وہاں موجود تھے اُن کو ساتھ لے کر دیوان چلے دو عدد کی جو کمی تھی اُن کی تلاش میں کسی قدر دیر رستہ میں ہوئی۔ اتنے میں نائب کانسل کو یہ حال معلوم ہوا۔ تو وہ خود حرم میں چلا آیا اور اپنے وکیل محمد یوسف کو پاشا کے پاس بھیجا پھر اُسی طرح سوال و جواب ہونے لگے اور محمد یوسف کئی بار پاشا کے پاس گیا اور آیا اخیر میں یہ جواب لایا کہ ہم نے ان کو حفاظت کے لئے مصلحتاً اور احتیاطاً اپنے پاس رکھنا چاہا ہے اگر ہم ان کو اس وقت بلا تحقیقات کے چھوڑ دیں گے تو کشت و خون ہو جانے کا اندیشہ ہے اُن کے صدہا دشمن اس وقت جوش میں ہیں وہ اُن کو زندہ نہ چھوڑیں گے یہ سُن کر نائب کانسل نے بذریعہ وکیل کے شیخ کو کہلا بھیجا کہ یہاں کسی آئین و قانون کی پابندی نہیں ہے اور ہم اس سے زیادہ پاشا کو کچھ کہہ نہیں سکتے آپ دیوان میں حاضر ہو جائیں اور اس کی رپورٹ اپنے افسر برٹش کانسل مقیم جدہ کو کر دی۔

افسر و سپاہی کی دوبارہ غلطی

اسسٹنٹ برٹش کانسل کا دوبارہ سوال و جواب

اسسٹنٹ مذکور کی رائے کہ یہاں قانون کی پابندی نہیں ہے

شیخ مع پانچ رفیقوں کے دیوان میں پہنچے۔ رات بھر اُسی دیوان کے ایک کمرہ میں رہے ۲۴۔ جمعہ کا دن بھی وہیں کٹا اور جمعہ و طواف بھی فوت ہوا۔

رات بھر دیوان میں رہنا

نماز جمعہ اور طواف کا فوت ہونا

تحقیقات

اُسی دن شیخ الہنود مسمی شیخ محمد حسین کی تحریک سے تحقیقات شروع ہوئی جب رفقائے شیخ کے نام دریافت کئے گئے تو معلوم ہوا کہ اُن میں میاں صاحب کے سوا فہرست مرسلہ دفتر پاشا کا ایک آدمی بھی نہیں ہے اب تو پاشائے مکہ کی آنکھیں کھلیں اور سمجھے کہ نہایت غلط کارروائی ہوئی۔ پھر اُن پانچوں آدمیوں سے جو بلا دریافت نام دو دفعہ میاں صاحب کے ساتھ آئے تھے ان لفظوں میں پاشا صاحب نے معذرت کی کہ ہمارے ماتحتوں کی غلطی سے آپ صاحبوں کو بلا وجہ تکلیف ہوئی آپ حضرات معاف فرمائیں اور میرے حق میں دعائے خیر کریں۔ ہرچند اُن لوگوں نے کہا کہ آپ نے ہمارا کیا بگاڑا ہے کہ ہم معاف کریں مگر پاشا کی تشفی نہ ہوئی اور کہا گیا کہ جب تک آپ لوگ اپنی زبان سے نہ کہیں گے کہ معاف کیا پاشا صاحب مطمئن نہ ہوں گے بعد اصرار شدید کے اُن لوگوں کو مجبوراً یہ کہنا پڑا کہ معاف کیا اور سب لوگوں

پاشا کو غلطی کا احساس

پاشا کی معذرت

زبردستی کی معافی

کو اجازت گھر جانے کی ملی میاں صاحب کے جان نثار شاگرد مولوی تلطف حسین صاحب نے آپ کو تنہا چھوڑ کر فرودگاہ پر جانا منظور نہیں کیا اور پاشا سے دوبدو کہا کہ مجھ کو یہاں سے جانا منظور نہیں ہے میں اپنے شیخ کے ساتھ ہر حال میں ہوں اور رہوں گا کیوں کہ میرا اور ان کا خیال و مقال مذہب و مشرب سب ایک ہی ہے میں ان سے جدا نہیں ہو سکتا۔

مولوی تلطف حسین کی وفاداری

۲۵-ذی الحجہ کی شب کو پاشا نے آپ سے چار سوال کئے۔

۲۵-ذی الحجہ کے واقعات

میاں صاحب سے اور پاشا سے سوال و جواب

سوال	جواب
(۱) آپ کے نزدیک مال تجارت میں زکوٰۃ نہیں ہے ؟	(۱) میں اس کا قائل نہیں ہوں چنانچہ میرا فتوے مطبوعہ مطبع حنفی دہلی موجود ہے جس میں میں نے لکھا ہے کہ مال تجارت میں زکوٰۃ واجب ہے اور میرے مخالفین نے بھی اس مسئلہ کو خاص میری طرف منسوب نہیں کیا ہے آپ اس گلابی چودرقہ کو بغور دیکھیں۔
(۲) خنزیر کی چربی کو آپ حلال اور پاک سمجھتے ہیں ؟ (۳) پھوپھی اور خالہ سے مناکحت جائز رکھتے ہیں ؟	(۲) (۳) میں مسلمان ہوں اور فریضہ حج ادا کرنے کو آیا ہوں اگر میں شحم خنزیر کو حلال اور خالہ پھوپھی کے ساتھ مناکحت کو جو نص قرآنی سے حرام ہے جائز کہتا تو مسلمان کیوں کہلاتا اور حج کے لئے کیوں آتا ایسا سوال کسی مسلمان سے کرنا نہایت ہی افسوس اور تعجب کا مقام ہے
(۴) حنفی مذہب کو آپ کیسا سمجھتے ہیں ؟	(۴) ھدایہ جو بہت بڑی مستند کتاب حنفی مذہب کی ہے اُس کے جس مقام کا مطلب آپ چاہیں ہم سے سنیں اور اُسی

مقام کا مطلب اپنے علمائے حرمین سے پڑھوا کر سنیں اس کے بعد خود بخود آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم مذہب حنفی کو کیسا سمجھتے ہیں۔

اس جواب کے سننے کے بعد تو پاشا صاحب سمجھے کہ نذیر دنیا میں ایک بے نظیر فاضل ہے جو اینک گوے و اینک میدان پر آمادہ ہے۔

اسی کے ساتھ اس کا یقین بھی ہو گیا کہ جو کچھ بہتان اور اتہام ان کے دشمنوں نے ان پر لگائے ہیں یہ اصلیت پر مبنی نہیں ہیں

مولوی تلطف حسین کا اظہار

پھر مزید تحقیقات کے لئے پاشا نے دوسرے کمرے میں آپ کو بٹھا کر آپ کے رفیق اور شاگرد مولوی تلطف حسین صاحب کا اظہار لینا شروع کیا۔

سوال	جواب
(۱) تم کہاں کے رہنے والے ہو؟	(۱) نواح عظیم آباد پٹنہ کے
(۲) اپنے شیخ کے ساتھ کب سے ہو؟	(۲) چھ برسوں سے
(۳) تمھارا بھی وہی مذہب ہے جو اُن کا ہے؟	(۳) بے شک وہی مذہب ہے
(۴) کون کون کتاب تمھارے شیخ کی تالیف ہے؟	(۴) فلاں فلاں رسالے اور کتابیں ہیں (جس میں گلابی چو ورقہ کا نام نہیں تھا)
(۵) کیا؟ یہ چو ورقہ گلابی (جامع الشواہد فی اخراج الوہابین عن المساجد) جس میں	(۵) آپ کے اس سوال پر تعجب ہی تعجب ہے جناب کو اس وقت تک یہ بھی خبر نہیں

ع۵ میاں صاحب فرماتے تھے کہ جب پاشا سے میری گفتگو بذریعہ ترجمان کے ہونے لگی تو میں نے ترجمان سے دریافت کیا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو اُس نے کہا کہ نیشاپور کا اس پر میں نے کہا کہ صائب نیشاپوری کہتا ہے

۵ بے بصیرت چہ شناسد سخن صائب را　　تلخ و شیریں بمذاق دل رنجور یکیست

آپ کے ہاں میری نسبت جو شکائتیں لوگوں نے کیں اُس کو ذرا سوچنا تو تھا کہ یہ باتیں کسی مسلمان سے ہوسکتی ہیں؟ پاشا نے مجھ سے کہا کہ اگر کوئی امر بے ادبی کا مجھ سے سرزد ہوا ہو تو معاف کیجئے کیوں کہ میرا حق ہے۔ میں بنی فاطمہ ہوں میں نے کہا کہ صاحب میں بھی بنی فاطمہ ہوں آپ بھی شجرہ پڑھیں اور میں بھی پڑھتا ہوں ۱۲

شحم خنزیر کو حلال اور خالہ پھوپھی سے نکاح کو جائز لکھا ہے تمہارے شیخ کی تالیف سے نہیں ہے	کہ اس چورقہ رسالہ کا مولف کون ہے اور اس کا مضمون کیا ہے اس میں کس پر اتہامات و بہتانات کا طومار باندھا گیا ہے ؟ ایسی بے خبری ایسے اعلیٰ حکام کی نہایت ہی قابل افسوس امر ہے۔ جناب والا یہ رسالہ تو ہمارے شیخ کے دشمنوں نے تالیف کیا ہے جس میں ہمارے شیخ کی مذمتیں درج ہیں اور اُن پر بہتان باندھے گئے ہیں۔ کیا یہ امر ممکن ہے کہ کوئی اپنی رد و مذمت میں آپ ہی کتاب تالیف کرے۔
(۶) تمہارے شیخ نے اس پر مہر کیوں کی ؟	(۶) بتائیے اس پر کہاں اُن کی مُہر ہے ؟
(۷) یہ دیکھو اس رسالہ کے صفحہ ، میں	افسوس صد افسوس محمد نذیر عرف نذیر احمد طالب علم دہلی کو سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی قرار دیا جاتا ہے جناب من یہ نذیر احمد کی مہر ہے۔ پے مفتیان شد محمد نذیر ہمارے شیخ کی مہر یہ ہے۔ سید محمد نذیر حسین جو معیار الحق وغیرہ رسائل پر ثبت ہے (یہ کتاب اُس وقت پاشا کے سامنے موجود

	تھی جو مولوی جان علی کے پاس سے بوقت تلاشی برآمد ہوئی تھی)
(۸) بے شک ہم کو بڑا دھوکا دیا گیا مگر ہم ان مسائل کی بابت تم سے پوچھنا چاہتے ہیں جو اس رسالہ میں تمھارے شیخ کی طرف منسوب کئے گئے ہیں۔	(۸) جو سوال آپ چاہیں کریں میں اپنے شیخ کی طرف سے جواب دونگا۔
(۹) کیا تمھارے شیخ مال تجارت میں زکوٰۃ کو واجب نہیں کہتے ؟	(۹) مال تجارت میں وہ وجوب زکوٰۃ کے قائل ہیں اور اس کی تفصیل اُسی طرح کی جو شیخ کے جواب میں مذکور ہوئی۔
(۱۰) کیا تمھارے شیخ پھوپھی اور خالہ سے نکاح کرنے کو جائز کہتے ہیں اور شحم خنزیر کو حلال ؟	(۱۰) جو شخص مسلمان کہلائے اور حج بیت اللہ کو یہاں آئے وہ ایسی بے ہودہ باتیں کبھی کہہ سکتا ہے۔

اِس کے بعد مولوی تلطف حسین صاحب نے پاشا، مکہ سے سوالات ذیل کئے

سوال مولوی صاحب	جواب پاشا، مکہ
(۱) آپ ہمارے شیخ کو کیا جانتے ہیں ؟	(۱) لوگ وہابی کہتے ہیں
(۲) وہابی قرآن کو تو نہیں مانتے ؟	(۲) قرآن کو وہ مانتے ہیں۔
(۳) بہت افسوس ہے کہ آپ ہمارے شیخ کو وہابی جانتے ہیں اور وہابیوں کا قرآن کو ماننا بھی تسلیم کرتے ہیں پھر جس چیز (خالہ اور پھوپھی سے نکاح اور شحم خنزیر) کی حرمت نص قرآن میں موجود ہے اُس کی حلت کو ہمارے شیخ کی طرف منسوب کرتے ہیں	(۳) متعجبانہ لہجہ میں خالہ اور پھوپھی سے نکاح کی حرمت قرآن میں کہاں ہے ؟

مولوی صاحب نے کہا سورہ نساء کے چوتھے رکوع میں والمحصنات کے پہلے حرمت علیکم امھاتکم و بناتکم و اخواتکم و عماتکم و خالاتکم۔

یہ سن کر پاشا تو دم بخود ہو گئے اور مولوی تلطف حسین صاحب نے بمصداق "ہر کہ دست از جاں بشوید ہرچہ در دل آید بگوید" بلند آواز اور ترش رو لہجہ میں یہ اسپیچ دی۔

مولوی تلطف حسین کی اسپیچ

بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہم لوگ جو اپنے وہابی ہونے کے اقراری نہیں ہیں صرف بے اصل تہمتوں اور افتراؤں پر وہابی قرار دئے جائیں اور اس حرم محترم میں جو مامن خلائق ہے ایسی ایسی تکلیفیں پائیں اور سختیاں جھیلیں۔

اور اصل وہابیان نجد جو مدعی وہابیت ہیں بے روک ٹوک آویں حج کریں اور چلے جائیں اُن سے کسی قسم کا تعرض نہ ہو اُن کے سوا دوسرے دوسرے مذاہب کے لوگ شیعہ، خارجی وغیرہ بے تکلف ہمیشہ آویں حالانکہ وہ لوگ اصولاً و فروعاً مذہب اہل سنت والجماعت کے علانیہ مخالف ہیں اُن سے کسی طرح کی باز پرس نہ ہو اور ہم لوگوں پر جو اصولاً و فروعاً اہل سنت والجماعت ہیں یہ دارو گیر ہو رہی ہے

حرم محترم میں محرمات قطعیہ اتفاقیہ کا ارتکاب ہو (جیسے آب زمزم کی بیع وغیرہ عین مسجد الحرام میں) اِس پر حکام مکہ کی جانب سے سرزنش نہ کی جائے اور ہم لوگوں پر باوجود عدم صدور کسی جرم شرعی کے صرف تہمتوں کے سبب یہ مواخذہ ہو کیا یہ ظلم نہیں ہے اور ہم مظلوم نہیں ہیں ؟

ہندوستان میں اس وقت انگریزی حکومت ہے وہاں ہر مذہب والا آزادی کے ساتھ اپنے شعار مذہب کے ادا کرنے کا مجاز ہے۔ کوئی مسلمان نہ جمعہ سے روکا جاتا ہے نہ جماعت سے اور یہاں اسلامی سرزمین اور مسلمانوں کی حکومت میں ہم لوگ طواف کعبہ اور جمعہ و جماعت سے مجبور ہیں۔

اس کے بعد ہم یہ کہنے سے معذور سمجھے جائیں کہ انگریزی گورنمنٹ ہندوستان میں ہم مسلمانوں کے لئے خدا کی رحمت ہے۔

مصاحبین پاشا کی برہمی

اس اسپیچ سے بعض مصاحبین پاشا نے برہم ہو کر کہا کہ "پاشا کے حضور

میں ایسی گستاخانہ گفتگو"

پاشا کا انصاف

پاشا نے اُس وقت منصفانہ فرمایا کہ اس کو کچھ مت کہو یہ مظلوم ہے کیوں کر اس کو جوش نہ آئے جب کہ اس کو اور اس کے شیخ کو ناحق تہمتیں لگا کر کا فربنایا گیا ہے اور مولوی تلطف حسین صاحب کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ آپ خفا نہ ہوں ہم نے کسی طرح آپ کی توہین نہیں کی ہے۔ اپنے خاص محل اقامت میں جگہ دی اور یہ باز پرس آپ ہی کے ساڑھے تین سو (۳۵۰) ہم وطنوں کی مخبری اور گواہیوں کے سبب سے ہوئی۔

پاشا کا اکرام کرنا اور اپنے ہاتھ سے قہوہ دینا اور معذرت، عفو، دعاے خیر کی درخواست کرنی۔

اِس کے بعد پاشا نے شیخ کو اپنے حضور میں طلب کیا اور آپ کا بہت اِکرام کیا اور خاص اپنے ہاتھ سے قہوہ دیا اور اس باز پرس پر معذرت کی اور طلب عفو کے ساتھ اپنے حق میں دعاے خیر چاہی پھر پوچھا جناب مدینہ طیبہ کا بھی ارادہ رکھتے ہیں؟ میاں صاحب نے فرمایا کہ یہاں تو یہ باز پرس ہوئی اب خدا جانے وہاں کیا نوبت آئے یہ مفسد اور مخبر لوگ تو وہاں جانے کو بھی تیار ہیں اِس لئے اب میرے حق میں شاید وطن ہی کو لوٹ جانا بہتر ہوگا جس پر پاشا نے

مدینہ منورہ جانے کی بات جیت پاشا سے

ایک خط یا روبکاری یا سرٹیفکٹ مدینہ منورہ کے پاشا کے نام لکھوا کر اور اپنی مہر خاص سے مسجل کرکے آپ کو دیا اور کہا کہ اب آپ سے وہاں کسی قسم کا تعرض نہیں ہوگا وہ خط اصل ترکی زبان میں مع ترجمہ ہدیہ ناظرین ہے۔

پاشاء مکہ کا خط یا سرٹیفکٹ بنام پاشاء مدینہ

نقل اصل خط پاشاء مکہ بزبان ترکی بنام پاشاء مدینہ طیبہ	ترجمہ لفظی
مدینہ منورہ محافظین علیہ سنہ	مدینہ منورہ کے محافظین علیہ کو سعادت
سعادتلو آفندم حضرتلری	مآب حضرت صاحب سن
علمای هندیه دن نذیر حسین	ہند کے علما سے نذیر حسین اور
ایله تلامیذندن بر نفر حقنده	اُن کے شاگردوں سے ایک شخص کے حق
کندی همشهریلری طرفندن	میں جو اُن کے ہم وطنوں کی طرف سے

اسنادِ اعتزال اولمغلہ مکۂ مکرمہ
دہ کندو لری بالمؤاخذہ
تحقیقاتِ ایجابیہ اجرا قلنمش
ایسہ دہ فقط اسنادِ واقع مذکوردن
مومیٰ الیہمانک برائتِ ذمتلری
ثابت اولمش اولدیغندن
اوراجہ دہ شایدحقلرندہ
بولنلدہ بر سوز ایلہ ایلہ جک
اولور ایسہ برائتِ ذمتلری
معلوم اولمق اوزرہ بیان کیفیتہ
ابتدار قلندی اولبابدہ امرو
ارادہ افندم حضرتلری نکدر
فی ۲۶ ذالحجہ سنہ ۱۳۰۰ وفی
۱۶ تشرین اول سنہ ۹۹ والی و
قوماندان حجاز مکہ مکرمہ دمن

السید عثمان نوری
۱۲۸۹

اسناد اعتزال ہوا تھا سو مکہ مکرمہ میں
وہ مواخذہ ہو کر ضروری تحقیقات
ان کی کی گئی لیکن چونکہ اسناد واقع
مذکور سے مومی الیہما کی بری الذمتی
ثابت ہوتی ہے اس لئے اُس جگہ بھی
اگر اُن کے حق میں اس قسم کی کوئی بات
کہی جائے تو بری الذمتی اُن کی معلوم
ہونے کے لئے اس کیفیت کے بیان
کو ابتدار کیا گیا اس بات میں امروالا
حضرت صاحب من کا ہے
سید عثمان نوری گورنرو کمانڈر الخیف
حجاز از مکہ مکرمہ تاریخ ۲۶ ذی الحجہ
سنہ ۱۳۰۰ھ ۱۶ تشرین اول سنہ ۹۹

مدینہ منورہ پہنچنا

پاشا کا یہ خط لے کر میاں صاحب مع اپنے شاگرد اور رفیق مولوی تلطف حسین صاحب وغیرہ کے مدینہ منورہ پہنچے وہاں بھی مخالفین نے بہت کچھ فتنہ برپا کرنے کی کوششیں کیں مگر کچھ چلی نہیں آپ چندروز وہاں قیام کرکے سیدھے جدہ چلے آئے اور وہاں سے بمبئی روانہ ہوئے۔

اشاعۃ السنت کا مضمون

اشاعۃ السنۃ نمبر ۱۰ جلد ۶ صفحہ ۲۸۶ بابت ذی الحجہ سنہ ۱۳۰۰ھ و محرم سنہ ۱۳۰۱ھ مطابق اکتوبر و نومبر سنہ ۱۸۸۳ء میں چھپا تھا۔

"شیخ کی نسبت جو خوفناک خبریں ہمارے خیرخواہان ملک و مذہب نے اخبارات و اشتہارات کے ذریعہ سے شہرہ آفاق کی ہیں اُن کا اکثر حصہ محض

خلاف واقع ہے ازاں جملہ سچ ہے تو اسی قدر ہے کہ مولانا ممدوح باشائی محل میں بلائے گئے اور تین دن تک وہاں رہے اور اُن سے اُن تہمتوں کے جو لوگوں نے اُن پر لگائی تھیں جواب لئے گئے آخر وہ اُن سے بری قرار دئے گئے اور باشائی چٹھی یا سرٹیفکٹ کے ذریعہ سے مکہ سے مدینہ روانہ ہوئے اور وہاں سے بے مزاحمت احدے واپس ہو کر اپنے وطن میں آپہنچے"

بکم جنوری ۱۸۸۴ء کو بمبئی واپس پہنچے

المختصر بکم جنوری ۱۸۸۴ء کو شیخ بعد فراغ حج و زیارت بمبئی پہنچے اور وہاں سے شیخ کے رفقا نے دہلی وغیرہ میں اپنے پہنچنے کی خبر دی اور تاریخ روانگی بمبئی سے مطلع کیا۔

شیخ کا استقبال دہلی میں

دہلی میں استقبال

اکثر اشخاص جو میاں صاحب کے استقبال کے لئے دہلی سے چند اسٹیشن آگے تک گئے تھے اُن کا بیان ہے کہ ہر اسٹیشن پر اور ریل کی گاڑیوں میں میاں صاحب کے زائرین اور استقبال کرنے والوں کا ایسا ہجوم تھا جس طرح لوگ ہلال عید کی جستجو میں ۲۹ رمضان کو مجتمع ہوتے ہیں۔

حافظ ڈپٹی مولوی نذیر احمد صاحب ال ال ڈی فرماتے تھے "جب آپ سفر حجاز سے واپس تشریف لائے تو اسٹیشن دہلی پر استقبال کے لئے اس قدر لوگ حاضر ہوئے کہ پلیٹ فارم کا ٹکٹ ختم ہو گیا۔ کارپردازان اسٹیشن حیران تھے کہ یہ کس نامی گرامی شخص کی آمد آمد ہے"

جب ٹرین دہلی اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر پہنچا تو آدمیوں کا ایسا ازدحام دیکھا کہ ہم لوگوں نے تمام زندگی کبھی کسی عالم، درویش، ولی متقی، امیر اور وزیر کے قدوم پر ایسی کثرت نہیں دیکھی تھی۔ پلیٹ فارم اور اسٹیشن پر ہزارہا مخلوق تھی کہیں ایک بالشت زمین بھی خالی نہیں نظر آتی تھی۔ بہت لوگ ایسے تھے جن کو میاں صاحب کی زیارت بھی اسٹیشن پر نصیب نہ ہو سکی کجا مصافحہ میاں صاحب کو بھی ایک قدم چلنا دشوار ہو گیا آخر بڑی مشکلوں سے نواب محتشم علاء الدین خاں بہادر رئیس لوہارو (جو آپ کے استقبال کے لئے وہاں موجود تھے)

اور چند اَور معززین اعیان دہلی نے آپ کو حلقہ میں لیا اور بہ مشکل پلیٹ فارم سے ٹرین تک پہنچا کر سوار کرایا افسران ریلوے یوروپین اور دیسی ہندو مسلمان اور عیسائی اس منظر کو دیکھ کر سخت حیرت میں تھے کہ خدا کا یہ کون سا مقتدر بندہ ہے جس کے لئے ہزاروں دیدہ و دل فرش راہ ہیں۔

مصنف کی ذاتی تحقیقات

یہاں تک جو مضامین متعلق سفر حج بیان کئے گئے وہ اقتباس ہے ہندوستانی اہل حدیث کے رسالوں اور اخباروں کا اب حضرات ناظرین خاکسار مصنف کی ذاتی تحقیقات کو بھی ملاحظہ فرمائیں۔

میاں صاحب کے بعض یا اکثر معتقدین اُن واقعات نامرضیہ کو جو مکہ معظمہ میں آپ کے ساتھ ہوئے روشنی میں لانا نہیں چاہتے۔

مگر یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ واقعات پر پردہ ڈالنے کی کوشش کیوں کی گئی میرے پاس کافی دلائل اس کے موجود ہیں کہ واقعات پبلک سے چھپائے گئے۔

واقعات مکہ کا سچا بیان

جس کا مختصر مگر اصلی اور سچا بیان یہ ہے کہ **میاں صاحب** کے ہم وطن اور مہاجر ہم وطن مخالفین نے پاشاء مکہ کے ہاں نہایت ہی موثق اور موثر طریقے پر مخبری کی کہ مولوی نذیر حسین دہلوی جو ہندوستان سے حج کو آئے ہیں وہ معتزلی اور وہابی ہیں اگر ان کی تنبیہ اور سرزنش نہیں کی جائے گی تو اہل مکہ بلکہ اہل عرب کا عقیدہ فاسد ہو جائے گا اور تین سو سے زیادہ آدمیوں نے پاشا کے سامنے اس کی گواہی دی۔ چونکہ اہل عرب اور ترک اعتزال کو نہایت ہی بُرا سمجھتے ہیں پاشا نے آپ کو مع اُن لوگوں کے جن کا ذکر اوپر گذر چکا دوبارہ طلب کیا اور تین روز تک اپنے مکان میں نظر بند رکھا (نائب کانسل انگریزی سے جو مراسلات ہوئے وہ بھی ناظرین کو معلوم ہیں) اور پوچھا کہ آپ معتزلی ہیں **میاں صاحب** نے جواب دیا کہ نہیں۔ پوچھا کہ اعتزال کو آپ کیسا سمجھتے ہیں آپ نے کہا نہایت برا، تب پاشا نے کہا کہ اچھا اعتزال سے آپ تحریری طور پر توبہ کیجئے اور اس توبہ نامہ پر اپنا دستخط کیجئے کچھ دیر کی رد و قدح کے بعد **میاں صاحب** نے اپنا دستخط کر دیا اور لکھ دیا کہ میں معتزلی نہیں ہوں اور

توبہ کی حقیقت

اعتزال سے توبہ کرتا ہوں اس کے بعد ایک راہ داری کا پروانہ مدینہ منورہ جانے کے لئے پاشاہ مکہ کے ہاں سے ملا اور آپ مدینہ منورہ چلے گئے

مدینہ طیبہ سے واپس ہوتے ہوئے راہ بدل کر جدہ چلے آنا۔

مدینہ طیبہ سے لوٹتے ہوئے جب میاں صاحب کا قافلہ اُس منزل سے چلا جہاں مکہ مکرمہ اور جدہ کی سڑکیں باہم مل کر دونوں جانب کے دو رستے جدا جدا ہوگئے ہیں تو میاں صاحب کے اونٹ بلا اطلاع اہل قافلہ قافلہ سے علیحدہ کر لئے گئے اور سیدھے جدہ چلے آئے اسی مصلحت کو ملحوظ رکھ کر کہ پھر خدا جانے مکہ معظمہ میں پہنچ کر کیا گل کھلے اور کن کن مشکلات سے سامنا پڑے۔

پاشا کی چٹھی کا فوٹو شائع کرنا

اسی سبب سے وہ راہ داری کی چٹھی جس کی نقل اوپر گذر چکی آپ کے رفیقوں کے پاس رہ گئی اور انہوں نے ہندوستان میں پہنچ کر اُس کا فوٹو شائع کرا دیا اور توبہ نامہ کی تغلیط کی اور مخالفین کو خطاب کرکے بہ آواز بلند منادی کر دی کہ اگر توبہ نامہ

ع۵ میاں صاحب نے حج سے واپس آنے کے بعد جو خط مولوی سید عبد العزیز ساکن موضع صمدن ضلع فرخ آباد تحصیلدار متھرا کے عریضہ کے جواب میں لکھا ہے اُس کی عبارت بجنسہ یہ ہے :۔

بخدمت عبد العزیز سلمہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ الحمد للہ کہ میں سفر حجاز سے واپس آیا آپ نے اخبار میں سب حال دیکھے ہونگے۔ نصرۃ السنہ نے جو چھاپا ہے وہ صحیح کیفیت سمجھو۔ برادران ہند کی عنایت تھی میرا جو اعزاز و تعظیم و تبجیل عرب میں ہوا اُس کا شکر بجناب باری تعالیٰ کرتا ہوں بے شک سعایت معاندین و منافقین سے مجھے ابتداءً بہت دشواریاں پیش آنا محسوس ہوئی تھیں۔ مگر الحمد للہ کہ وہ بالکل کچھ نہ تھیں۔ یہ تم پر ظاہر ہے کہ میں معتزلی نہیں ہوں پس مجھ پر کیا حصر ہے بلکہ تمام مسلمین پر اُس سے توبہ کرنا واجب ہے میں نے بھی توبہ کی عرب میں اعتزال کو بہت خراب سمجھتے ہیں اور فی الواقع وہ بُری چیز بھی ہے۔ تحریر شریف صاحب اور ایراد سلطانی میرے ساتھیوں کے پاس ہوں گے میرے لئے فرمان واجب الاذعان قرآن کافی ہے کہ جو سلطان السلاطین کا حکم ہے میرے ساتھ کوئی خلاف امر پیش نہیں آیا بلکہ میرے مخالفین کو میری تکریم و تعظیم پر رشک تھا اور ہندوستان میں جو کیفیت سب کی تھی آپ کو معلوم ہوئی ہوگی۔ جیسا کہ تم چاہتے ہو میں بھی تم کو دیکھنا چاہتا ہوں فی الواقع زبانی حالات سفر سن کر آپ کو تسکین ہوگی۔

الراقم العاجز سید محمد نذیر حسین عفی عنہ   از دہلی

راقم کہتا ہے کہ حج کے جانے کے قرنوں پیشتر سے میاں صاحب اکثر درس کے وقت بعض علماء راسبق حنفیہ کی نسبت کہا کرتے تھے کہ وہ حنفی تو نہیں ہیں حنفزلی البتہ ہیں جس کا مطلب یہ تھا کہ جزئیات فقہ میں وہ مقلد ہیں حنفی مذہب کے اور عقائد میں معتزلہ کے اور یہی قول میاں صاحب کا آخر تک رہا جس سے ثابت ہے کہ اعتزال کو وہ ہمیشہ سے بُرا جانتے تھے ۱۲

دستخطی شیخ کا ہے تو اُس کا فوٹو بھی اسی طرح شائع کرو جس طرح ہم نے شائع کیا ہے هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ۔

مخالفین سے توبہ نامہ کا فوٹو طلب کرنا

مخالفین توبہ نامہ اصلی اب لاتے ہی کہاں سے وہ تو تھا یا مشاہر مکہ کے دفتر میں جو تیجے ضایع کر دیا گیا ہوگا۔ دو ایک قلمی نقل اُس کی لے کر یہ لوگ چلے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ مخالفین فوٹو شائع نہ کر سکے اور وہ نقلی توبہ نامہ جعلی قرار دیا گیا یہ ڈھنگ ہیں مناظرے کے۔

مخالفین کا حیص بیص اور اُن کی تکذیب مناظرانہ روش پر

اب میرا سوال یہ ہے کہ اس واقعہ توبہ کے چھپانے کی کوشش کیوں کی گئی اور اس کے ظاہر کرنے میں ہمارے **میاں صاحب** کی کسرِ شان ہی کیا تھی؟ کسی ناکردہ گناہ سے اگر جبراً توبہ کرائی جاوے تو توبہ کرنے والے کی ذلت ہی کیا ہوئی مثل مشہور ہے اپنی عزت اپنے ہاتھ، ذلت ہے تو ناجائز دباؤ ڈالنے والے کی جس نے غیر مجرم کو مجرم فرض کر لیا اور اُس سے جبراً توبہ بھی کرالی۔

معنف کا معترض توبہ کے چھپانے پر

اور کسی واقعہ کا وقوع مکہ معظمہ میں اگر مستند خیال کئے جانے کے لائق سمجھا جاوے تو میں بلا خوف تردید پوچھتا ہوں کہ واقعات مندرجہ ذیل کہاں واقع ہوئے ہیں؟ کیا مکہ کا حاکم یا گورنر کسی زمانہ میں حجاج بن یوسف اور مدینہ کا گورنر مروان بن الحکم نہیں رہا؟ اور اُن دونوں کے مظالم جو اکابر صحابہ اور تابعین پر ہوئے وہ صفحہ تاریخ سے مٹ گئے؟ کیا اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما کی مظلومیت کے واقعات لوگ بھول گئے؟ کیا مسلم بن عقبہ کے وقائع[ع] جو مدینہ طیبہ اور مکہ معظمہ میں ہوئے کبھی مسلمانوں کے خیال سے جا سکتے ہیں؟

وقوع واقعہ مکہ معظمہ میں سند نہیں

زمانہ اسلام میں واقعات و فساد جو مکہ میں ہوتے گئے اُس کا بیان

کیا عبداللہ بن زبیر کی شہادت کا واقعہ نظر انداز کرنے کے قابل ہے؟

کیا ابو طاہر قرمطی (جو محمد بن حنفیہ و ابن علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کو امام برحق مانتا تھا) حجر اسود کو کعبہ معظمہ سے اُکھاڑ کر نہیں لے گیا۔ اور بیش برس تک حجر اسود کعبہ سے علیحدہ نہیں رہا؟

[ع] حرم نبوی میں گھوڑے باندھنا مسجد نبوی کو نجس کرنا، سات سو صحابہ قریشی اور دس ہزار آدمیوں کو مدینہ میں قتل کرنا مدینہ کو تاخت و تاراج کرنا، ام المومنین حضرت ام سلمہ کا گھر لوٹنا۔ منجنیق سے کعبہ معظمہ کو سنگسار کرنا، غلاف کعبہ اور دروازہ کعبہ کے پردے کو جلانا وغیرہ وغیرہ،

کیا حجر اسود کسی واقعہ سے ٹوٹا نہیں ہے ؟
کیا حافظ ابو الفضل درکعبہ پر ایسی حالت میں قتل نہیں کئے گئے جب کہ حلقہ دربیت اللہ سے وہ لٹکے ہوئے تھے اور سر اُن کا بیت اللہ کی چوکھٹ پر گرا ؟
امام فقہاء حنفیہ ابو سعید احمد بن الحسین البردعی مکہ معظمہ میں شہید نہیں ہوئے ؟
شیخ ابو بکر شیخ الصوفیہ علی بن بوتۃ الصوفی کی شہادت کیا اسی حرم محترم میں نہیں ہوئی ہے ؟ جہاں میاں صاحب کے قتل کی سازش کی گئی تھی۔
کیا شیخ محمد بن خالد زید بردعی کا خون اُسی پاک زمین میں نہیں بہایا گیا ؟
کیا امام نسائیؒ (صحاح ستہ کے پانچویں امام) نہ صرف خدا کے شہر بلکہ خدا کے گھر میں متغلبین کے ہاتھوں سے شہید نہیں ہوئے۔؟
کیا سنہ ۱۷ ۱۳ھ میں مکہ معظمہ میں فریضہ حج ادا ہوا تھا، لوگ عرفات گئے تھے ؟
کیا حنفیوں اور شافعیوں میں وہاں ناگفتہ بہ امور پیش نہیں آئے ؟
کیا چار مصلے بلا وجہ قائم ہوئے ہیں ؟
کیا مکہ معظمہ کی گورنمنٹ اس وقت بھی ڈِس پانگ گورنمنٹ نہیں ہے ؟ کیا پاشاء مکہ کے اختیارات ایک غیر آئینی ملک کے گورنمنٹ کے برابر نہیں ہیں ؟ کیا پاشا اور شریف کے مظالم کی خبر سلطان روم خلد اللہ ملکہ کو ہوتی ہے ؟ اور اگر ہوتی ہو تو وہ کچھ اصلاح اُس کی کرتے ہیں یا سر دست کر سکتے ہیں ؟

پاشاء مکہ کے اختیارات غیر آئینی ملک کے گورنر کے برابر ہیں۔

اگر یہ باتیں ہوئی ہیں اور ضرور ہوئی ہیں (کیوں کہ تاریخ کے صفحے دھوئے نہیں جاسکتے) اور اس وقت بھی ہوتی ہیں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اس قسم کے کام جو مکہ معظمہ میں ہوئے اور ہوتے رہتے ہیں اُن کو کوئی ذی عقل مسلمان مستند خیال کر سکتا ہے یا کرے گا۔

عہ ابو طاہر قرمطی کے واقعہ سے شیخ محمد بن خالد زید بردعی تک کے سب واقعات "کتاب الاعلام تاریخ بیت اللہ الحرام" صفحہ ۵۰ مطبوعہ مصر میں موجود ہیں ۱۲۔
عہ جن حضرات کو مکہ معظمہ کے پاشا اور شریفوں کی تعدیوں کا علم نہ ہو اُن کی توجہ کو ہم مبذول کرنا چاہتے ہیں حاجیوں کے اُن سفرناموں کی طرف جن کو انہوں نے سفر حج میں لکھا ہے جو پیشتر بھی شائع ہو چکے ہیں اور اس وقت تک بھی شائع ہوتے ہی جاتے ہیں۔
۱۲ منہ

مختلف اقطار عالم پر شیخ کا اقتدار

شیخ کے تلامذہ کی کثرت اور اسلامی دنیا کے ہر حصہ میں اُن کا وجود

ہم دیباچہ میں لکھ آئے ہیں کہ آپ کے تلامذہ اقطاع عالم حجاز، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، یمن، نجد، شام، حبش، افریقہ، ٹیونس، الجزائر، کابل، غزنی، قندھار، پشاور، سمرقند، بلخ، بخارا، داغستان، ایشیاء کوچک، ایران، مشھد، خراسان، ہرات، چین، کوچین، اور ہندوستان کے تقریباً ہر شہر ہر ضلع اور بیشتر قصبے، قریے اور دھاتوں میں شرقاً و غرباً جنوباً و شمالاً پھیلے ہوئے ہیں۔

اس سے تین باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

کثرت اشاعت حدیث

(۱) اشاعت علم حدیث اسلامی دنیا میں جیسی کچھ آپ کی ذات سے ہوئی وہ آپ ہی اپنی نظیر ہے۔

(۲ و ۳) کثرت تعداد تلامذہ۔ اور اُن کا مختلف اقطار عالم میں پھیلے رہنا۔

اور اس سبب سے شیخ کا اقتدار مختلف اقطار عالم پر

سید ہاشم جمل اللیل مرحوم کا پاشا کے ہاں جانا اور گفتگو کرنا

مکہ معظمہ میں جب آپ پاشائی محل میں نظربند تھے تو سید ہاشم جمل اللیل (جو ایک ذی وجاہت معطوف اور ذی اثر رئیس مکہ معظمہ کے تھے) کو بسبب اس کے کہ وہ آپ کے معطوف نہ تھے آخر میں اس واقعہ کا حال معلوم ہوا۔ سننے کے ساتھ پاشا کے ہاں وہ خود گئے اور کہا کہ آپ فوراً ان کو رخصت کیجیے ورنہ آج مکہ میں خون کی ندی بہہ جائے گی۔

شیوخ اہل شرق کا بغرض تفتیش مکہ میں پہنچنا

مولوی تلطف حسین صاحب جو آپ کے تلمیذ، رفیق سفر اور خادم تھے فرماتے ہیں کہ ہم لوگ جب اپنی قیام گاہ پر پہنچ گئے تو شیوخ اہل شرق (جن کا قافلہ شہر سے فاصلہ پر تھا اور اُس میں چھ سو مسلح سوار تھے) آئے مجھ سے اُن سے راہ میں ملاقات ہوئی شیوخ موصوف پوچھنے لگے این الشیخ، شیخ کہاں ہیں میں نے کہا کہ مکان میں ہیں۔ اُن شیوخ نے برہمی کے لہجہ میں کہا کہ ہم کو دکھا دو۔ ہم لوگ کچھ اور ہی بات سن کر آئے ہیں۔ میں نے ساتھ لے جاکر دکھا دیا اور ملاقات کرا دی۔ شیوخ ممدوح نے کہا کہ ابھی ایک موحش خبر سن کر ہم لوگ تحقیق کے لئے آئے تھے۔

شیوخ اہل شرق کی برہمی اور جنگ کا ارادہ

الحمد للہ کہ شیخ کو زندہ صحیح وسالم اپنی جگہ پر دیکھا ورنہ آج جو کچھ ہونا ہوتا ہو کر رہتا۔
حسب درخواست علماء ورؤساء اخیر مرتبہ جب آپ آرے تشریف لائے تو ریلوے اسٹیشن سے فرودگاہ لے جانے کے لئے پالکی لائی گئی تھی ٹرین سے اُترنے کے ساتھ مستقبلین وزائرین کی نظر جب چہرۂ مبارک پر پڑی تو خواص علماء ورؤسا میں ایسا جوش پیدا ہوا کہ اُن لوگوں نے آپ کو پالکی میں بٹھا کر اپنے کندھوں پر پالکی کو اُٹھایا اور فرودگاہ تک پہنچایا جملہ حاضرین (جن کا شمار سینکڑوں سے زیادہ تھا) کی یہی تمنا تھی کہ ہم بھی کندھا دیتے اس پر بھی اکثر لوگ اس شرف سے محروم رہے۔ اسٹیشن آرہ کے اسٹاف، رستہ چلنے والے اور دکاندار وغیرہ وغیرہ اس منظر کو دیکھ کر سخت حیرت زدہ تھے کہ یہ کون خدا کا بندہ ہے جس کے کہار ایسے ایسے نامی گرامی علماء ورؤساء ہیں ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

مولانا سید شریف حسین مرحوم کی وفات

میاں صاحب کے حج سے لوٹنے کے ساڑھے تین برس بعد اور اپنی والدہ ماجدہ رحمہا اللہ تعالٰے کے انتقال سے سترہ برس بعد اور میاں صاحب کی وفات سے سولہ برس قبل مولانا سید شریف حسین صاحب نے ۶۔جمادی الآخرہ سنہ ۱۳۰۴ھ مطابق ۲۔مارچ ۱۸۸۶ء روز چہار شنبہ کو ستاون برس کی عمر میں انتقال فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون

شمس العلما کا خطاب

گورنمنٹ انگلشیہ کی طرف سے ۲۲۔جون ۱۸۹۷ء مطابق ۲۱۔محرم ۱۳۱۵ھ روز سہ شنبہ کو ملا۔
جن لوگوں کو شیخ کے دیکھنے اور کچھ دنوں بھی ساتھ رہنے کا شرف حاصل ہے وہ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ عموماً خطاب پانے والے خطاب کے لئے جو کچھ کوششیں کیا کرتے ہیں۔ آپ کی طبیعت میں بالفطرۃ اُس کا مادہ ہی نہ تھا۔ وہ تدین زہد وتقویٰ اور درویشی میں جس طرح ثابت قدم اور مستقیم الحال تھے ویسے ہی

وجاہت دنیوی کی طرف سے بے پروائی

ان امور کی جانب سے نہایت ہی لااُبالی اور بے پروا تھے۔

معلوم ہوا ہے کہ جس وقت کمشنر دہلی نے بحکم لفٹنٹ گورنر پنجاب گورنمنٹ کی طرف سے اس خطاب کی خبر آپ کو دی اُس سے ایک منٹ آگے میاں صاحب کے وہم و گمان میں بھی کبھی یہ بات نہیں آئی تھی۔ کہ میں اس عام لقب سے ملقب ہوں گا اور جب لوگ خلعت و خطاب کے ساتھ میاں صاحب سے ملے اور آپ کو اُس سے آگاہ کیا تو آپ نے فرمایا۔

خطاب ملتے وقت کیا کہا

کہ ہم غریب آدمی خلعت و خطاب لے کر کیا کریں گے! خلعت و خطاب تو بڑے آدمیوں کو ملنا چاہئے ہم کو دینا لاحاصل ہے بعد اس گفت و شنود کے آپ نے اسی قدر فرمایا۔ اچھا صاحب آپ حاکم ہو جو چاہو کہو۔

میاں صاحب کے لقب کے بیان میں بھی ہم لکھ آئے ہیں مگر بمصداق اَلْمِسْكُ مَا كَرَّرْتَهٗ يَتَضَوَّعُ یہاں بھی اُس کا اعادہ کر دینا مناسب مقام ہے۔

خطاب کے تذکرے پر کیا فرماتے

شمس العلما کے خطاب کا تذکرہ جب کوئی شخص میاں صاحب کے روبرو کرتا تو آپ نہایت ہی سادگی سے فرماتے کہ میاں خطاب سے کیا ہوتا ہے ہمارے لئے تو پورا خطاب قرآن مجید میں حنیفاً مسلماً کا موجود ہے دنیاوی خطاب سلاطین سے ملا کرتا ہے یہ گویا اُن کے خوشنودی کا اظہار ہے۔

مجھے تو کوئی نذیر کہے تو کیا اور شمس العلما کہے تو کیا میں نہایت خوش ہوں کہ ہر ایک میاں صاحب مجھے کہتا ہے بھائی سادات کے لئے پیارا لفظ اس سے بڑھ کر نہیں ہے اس لفظ کی برکات سے میری درویشانہ طرز میں فرق نہ آئے بس خدا کا یہی فضل ہے۔

درویشی کا خیال

خطاب پر دلگداز کے اڈیٹر کی رائے

راقم کہتا ہے کہ اس خطاب کے بعد ہی رسالہ دلگداز کے قابل اڈیٹر نے بعنوان "شمس العلما" ایک مضمون لکھا تھا جس کا ماحصل یہ تھا کہ مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب محدث دہلوی مدظلہ کی عزت افزائی تو اس خطاب سے ہو ہی نہیں سکتی۔ لیکن اس خطاب کو عزت اور شرف اُس نام کی برکت سے ضرور حاصل ہوا۔

باب چہارم

مجددیت، تصوّف، بیعت،

مجددیت

اسلامی دنیا میں یہ امر مسلم ہے کہ ہر صدی میں مجدد ہوتا ہے جس کو آج کل (ریفارمر) کہتے ہیں موجودہ اصلاح کی بنیو ڈالی جناب شاہ عبدالرحیم صاحب والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہما نے پھر جناب شاہ ولی اللہ نے قرآن مجید کا فارسی میں ترجمہ کیا اور موطا کی شرح "مصفیٰ" فارسی میں لکھی۔ "حجۃ اللہ البالغہ" میں اسرار شریعت کو بیان کیا۔ تقلید کی تحقیق کی "عقد الجید" ایک خاص رسالہ تقلید ہی پر لکھا۔ ایک اَور رسالہ لکھا جس کا نام "انصاف" ہے اور اس کے سوا "ازالۃ الخفا" وغیرہ وغیرہ بہتیری کتابیں لکھیں جس سے جہالت کی نیند کے مستغرق کچھ کچھ کروٹیں بدلنے لگے اور سمجھنے لگے کہ قرآن و حدیث بھی قابل اعتنا کوئی چیز ہے۔ اس کے بعد اُن کے دونوں صاحب زادے منجھلے شاہ رفیع الدین اور سنجھلے شاہ عبدالقادر رحمہما اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید کا ترجمہ ہندی اور اُردو میں کیا مگر اس کارروائی کا کوئی معقول نتیجہ اُس وقت نہ نکلا۔ کیوں کہ مخالفین نے ایک گہری سازش شاہ ولی اللہ کے قتل کے لئے کی اور اُن کی جان محض تائید ایزدی سے بچ گئی۔ اس لئے جناب مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (سب سے بڑے بیٹے جناب شاہ ولی اللہ صاحب کے) جب کہ اپنے والد بزرگوار کی مسند پر بطور جانشین کے متمکن ہوئے تو مرنج و مرنجاں کی پالیسی اختیار کی۔

شاہ ولی اللہ صاحب کی اصلاح

شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر قدس سرہما کا ترجمہ قرآن

تیرھویں صدی کے ابتدائی حصّہ میں جب کہ مولانا اسمٰعیل شہید بن جناب شاہ عبدالغنی قدس سرہٗ (جو سب سے چھوٹے بیٹے جناب شاہ ولی اللہ صاحب کے تھے) نے ہوش سنبھالا اُس وقت ہندوستان کی عجیب حالت تھی۔ علما کا گروہ کمزور صوفیوں میں محدثات اُمور کا شور جس کا نام اُن کی اصطلاح میں تصوف تھا" اُمرا

مولانا اسمٰعیل شہید کے عنفوان شباب میں ہندوستان اور دہلی کی حالت

اپنے عیش و نشاط میں مدہوش، اُن کو نہ تو ملکی معاملات ہی سے دلچسپی اور نہ دین سے کچھ لگاؤ، قلعہ کی حالت تو اَور بھی ناگفتہ بہ تھی۔ جُہلا نہ صرف گور پرست ہی ہو رہے تھے بلکہ چیچک اور سیتلا کی پوجا بھی اُن کے مذہب کا قوی عنصر تھا۔ عوام خوش باش کو خورد و نوش کے سوا کوئی مشغلہ نہیں تھا۔ زمانہ کے حالات مولانا شہید جیسے دماغ کے آدمی پر بغیر ایک گہرا اثر پیدا کئے نہیں رہ سکتے تھے۔ اور وہی زبردست اثر تھا جس کے باعث ان اصلاحات کا ظہور ہوا۔ شہید نے شرک کی جڑ کاٹی۔ کلمۂ توحید کی منادی اس کے اصلی معنی کے ساتھ کر دی، گور پرستی اور عبادت لغیر اللہ کی جگہ خدا کے سامنے بندوں کے سر جھکوائے بدعات کا قلع قمع کر دیا، تصوف کو سنت کے رنگ میں رنگا۔ تقلید شخصی کا زور بھی ایک حد تک گھٹا۔ امراء کو رفاہ کے کاموں میں روپیہ اُٹھانے کی عادت ڈلوائی۔ زکوٰۃ اُن سے دلوائی۔ ایک گروہ کثیر کو موحد بنایا۔ اُن سے نماز پنجگانہ پر مواظبت کرائی۔ روزے رکھوائے۔ اور جہاد فی سبیل اللہ کے لئے ایک فوج تیار کر لی۔

المختصر تیرھویں صدی کے پہلے نصف حصہ میں شرک و بدعات سے جب کہ ہندوستان ظلمات بن رہا تھا۔ مولانا شہید کے علم و عمل تدبیر و ارشاد اور ہدایت کی روشنی نے برق خاطف کا کام کر دیا۔

میاں صاحب کی مجددیت کا تعلق مولانا شہید کی مجددیت کے ساتھ

چونکہ **میاں صاحب** کی مجددیت کو مولانا شہید کی مجددیت کے ساتھ اُسی قسم کا گہرا تعلق ہے جیسا کسی عظیم الشان عمارت کے بانی کا تعلق اُس کے قائم کے ساتھ ہوتا ہے اس لئے ضرور ہے کہ ایک مختصر ترجمہ یا سوانح مولانا شہید کے یہاں درج کر دیئے جائیں۔

نام اسمٰعیل، لقب شہید

آپ کا نام **اسمٰعیل** اور لقب **شہید** ہے آپ اکلوتے بیٹے تھے اپنے باپ مولانا شاہ عبدالغنی علیہ الرحمۃ کے جو سب سے چھوٹے بیٹے تھے جناب شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم رحمہم اللہ تعالےٰ کے۔

نسب

نسباً آپ فاروقی تھے سلسلہ نسب مسلسل حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے اسی لئے ان میں تمام باتیں اپنے حقیقی دادا شاہ ولی اللہ اور بڑے دادا حضرت عمرؓ کی موجود تھیں۔

تاریخ ولادت

مولانا شہید کی تاریخ ولادت میں اگرچہ اختلاف ہے لیکن ۱۲ ربیع الثانی

حفظ قرآن مجید

سنہ ۱۱۹۳ھ زیادہ قرین قیاس ہے۔ سات برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرکے ختم

بارھویں برس صدرہ پڑھا

سنا دیا۔ اور بارھویں برس صدرا پڑھتے تھے۔ پڑھنے کی حالت یہ تھی کہ اُستاد کو صرف عبارت آٹھ دس صفحے سنا دیتے اور مطلب کے متعلق کبھی کچھ نہ پوچھتے۔ اس سبب سے ہم سبق سامعین سخت بے زار رہتے۔ آپ کے ہم سبقوں میں ایک معمر

ملا عبدالکریم بخاری

بزرگ ملا عبدالکریم بخاری بھی تھے (جو کتب درسیہ اپنے وطن ہی میں پڑھ پڑھا کر جناب شاہ عبدالعزیز صاحب کے حضور میں صرف حل مشکلات کی غرض سے حاضر ہوئے تھے) شاہ صاحب قدس سرہ نے فرمایا کہ "مجھ کو اس قدر فرصت نہیں ہے کہ میں مستقل سبق پڑھاؤں۔ لڑکا ہمارا صدرا پڑھتا ہے سماعۃً اُس کے شریک ہو جاؤ" وہ اس انداز سے دل میں نہایت خفا اور بے زار رہتے ایک دن کا واقعہ یہ ہے کہ مولانا شہید جو سبق کے لئے آئے تو کتاب کی ورق گردانی کرنے لگے یہ یاد نہ رہا کہ کل کہاں تک پڑھا ہے اور کہاں سے چھوڑا ہے اس پر ملا بخاری نے ہنس کر

لطیفہ

کہا کہ "میاں صاحبزادے مکھی مار کر ساٹ دیا کرو تاکہ کتاب کھولتے ہی معلوم ہو جائے کہ کل کہاں سے چھوڑا ہے" مولانا شہید ہنس کر چُپ رہ گئے۔

ایک روز صدرا میں ایک نہایت مشکل مقام آیا ملا بخاری نے سمجھا کہ آج اس مقام پر ضرور رد و قدح ہو گی لیکن پیارا شہید حسب معمول جب وہاں سے بھی اسی طرح چلتا پھرتا نظر آیا تو ملا بخاری غصہ میں جھلا کر کہنے لگے کہ صاحبزادے تم کچھ سمجھتے بھی ہو یا یوں ہی گھاس کاٹتے چلے جاتے ہو؟

شہید نے نہایت ہی حلم اور متانت سے کہا کہ اگر آپ کو کچھ شبہ ہو تو پوچھئے

مولانا شہید کا امتحان

ملا بخاری نے کہا کہ اسی مقام کو تو سمجھا دو۔ یہ وقت آپ کی قابلیت کے امتحان کا تھا پیارے شہید نے اس عمدگی اور صفائی سے سمجھا دیا اور وہ وہ معنی بیان کئے کہ ہم سبق تو ہم سبق خود ابا حضرت[ف] (بڑے چچا جناب شاہ عبدالعزیز صاحب) بھی متحیر ہو گئے پھر صدرا کے حاشیہ پر اعتراض کرکے اُس کی تغلیط کر دی۔ اور ملا بخاری کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ ملا صاحب آپ کو جو کچھ شبہ ہو مجھ سے سبق کے قبل

ف جناب شاہ عبدالعزیز صاحب کو مولانا شہید ابا حضرت کہتے تھے ۱۲

یا بعد پوچھ لیا کیجئے سبق میں کیوں روکتے ہیں اس سے وقت ضائع ہوتا ہے اور میں تو قصداً اس لئے نہیں کچھ پوچھتا کہ ابا حضرت کو ناحق کی تکلیف ہوگی۔

آج اگر شیخ بوعلی زندہ ہوتا تو میں کہتا کہ آؤ بچارات کو ہم تم دونوں دو چراغ کھائیں (مطالعہ کریں) پھر صبح کو ہم سے تم سے باتیں ہوں۔

مولانا شاہ عبد العزیز کا وعظ

جناب شاہ عبد العزیز صاحب ہر منگل کو وعظ فرماتے جس کو دلی والے درس کہا کرتے ہیں۔ تین چار ہزار سامعین کا مجمع ہوتا اور جناب شاہ صاحب کی تاکید تھی کہ درس میں خاندان کے لڑکے موجود رہیں۔ جناب ممدوح کی آنکھ کی بینائی چونکہ جاتی رہی تھی قبل وعظ کے نام بنام سب لڑکوں کو پکار کر حاضری لیتے۔ بعدازاں آپ ایک آیت تلاوت کر کے وعظ شروع کرتے۔

مولانا شہید کی غیر حاضری

مولانا شہید آیت کو سُن کر کنکوا اُڑانے کے شوق میں جمنا کنارے چل دیتے جب دیکھتے کہ اب ختم درس کا وقت قریب ہے مجلس میں آکر دبے چھپے کسی گوشہ میں دور بیٹھ جاتے کیوں کہ آدمیوں کے ازدحام سے اب تو جناب شاہ صاحب کے قریب پہنچنا سخت مشکل کام تھا۔ جناب شاہ صاحب جب وعظ کر چکتے تو پھر نام بنام لڑکوں کی حاضری لیتے۔ شہید کی جب پکار ہوتی تو کھڑے ہو کر دور سے کہتے کہ "حاضر" بس قریب بلا کر پوچھتے کہ کیوں بے تو وہاں کیوں تھا اس کے جواب میں کوئی عذر کر دیتے۔ پھر شاہ صاحب پوچھتے کہ بتا تو میں نے کون آیت پہلے پڑھی تھی۔

وعظ کو دہرانا

(چوں کہ آیت سُن کر جاتے تھے) آیت تلاوت کر دیتے۔ پھر شاہ صاحب فرماتے کہ اچھا بیان کر میں نے جو کچھ بیان کیا ہے۔ جناب شاہ صاحب کے بیان کو تو حضرت نے سنا نہ تھا اپنی من گھڑت تقریر کرنے لگتے۔ شاہ صاحب فرماتے کہ "کیوں بے میں نے یہ کب کہا تھا" تو جواب میں عرض کرتے کہ چند توجیہیں ہماری بھی حضور سُن لیں اُس کے بعد حضور نے جو کچھ فرمایا ہے اُس کو بھی عرض کر دوں گا (اطمینان اپنی طباعی پر ایسا تھا کہ آخر کسی نہ کسی پہلو سے تو وہ توجیہیں میرے بیان میں آہی جائیں گی جو حضرت نے بیان فرمائی ہوں گی) اور چوں کہ ابا حضرت کے طرز بیان سے بخوبی واقف تھے بیان کرتے کرتے وہ تقریر بھی کر جاتے جو جناب شاہ صاحب نے کی تھی۔ شاہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز بہت خوش ہو کر ہاتھ اُٹھا کر دعا کرتے

الحمد للہ الذی وھب لی علی الکبر اسمٰعیل و اسحٰق۔

مطالعہ کبھی نہیں کیا اور آموختہ کبھی نہیں پڑھا

مولوی کرامت علی حیدر آبادی (جو علم حدیث میں آپ کے ہم سبق سامع تھے) کہتے تھے کہ شہید نے کبھی مطالعہ کیا اور نہ پڑھے ہوئے کو کبھی پھیرا۔ عام طلبہ اُن کو بے پروا کہا کرتے تھے۔ تیراندازی، گولی چلانا، گھوڑا چڑھنا، اور جمنا میں تیرنے کا مشغلہ اُن کو اکثر رہا کرتا تھا۔ جناب شاہ عبدالعزیز صاحب کے حضور میں روزانہ شکایتیں پہنچتیں۔ ایک روز جناب شاہ صاحب نے حلقۂ درس میں بوقت قرأت یہ شکایت کی کہ اسمٰعیل تم کھیل کود میں بہت رہتے ہو اور کتاب کا مطالعہ نہیں کرتے۔ شہید نے عرض کی کہ حضور میرا پڑھا ہوا کچھ مجھ سے دریافت کریں۔ آپ نے امتحاناً بعض بعض مقامات مختلفہ سے پوچھا تو اس روانی سے جواب دیا کہ بایدو شاید اُس وقت سارے طلبہ دنگ ہو گئے۔

جناب شاہ عبدالعزیز صاحب نے امتحان لیا

مولانا شہید کا آمین بالجہر اور رفع الیدین جامع مسجد میں کرنا بوڑھے مولوی صاحب نے شکایت کی

میاں صاحب فرماتے تھے کہ مولوی اسمٰعیل نے شاہ صاحب کے زمانہ ہی میں جب پہلے پہل آمین بالجہر جامع مسجد میں کہی تو ایک بوڑھے مولوی صاحب (جو شاہ صاحب کے شاگرد تھے) نے آکر جناب شاہ عبدالعزیز صاحب سے عرض کیا کہ حضرت! صاحبزادے نے تو آج غضب ہی کر دیا جامع مسجد میں آمین بالجہر کہی اور علانیہ رفع یدین بھی کیا اس پر شاہ صاحب نے مذاقاً فرمایا کہ پھر صاحب تم اُس کو سمجھاتے کیوں نہیں؟ مولوی صاحب موصوف نے جواب میں عرض کیا کہ حضرت وہ میرے سمجھانے سے باز رہنے والے ہیں تب شاہ صاحب نے فرمایا کہ دلائل سے اُس کو قائل کر دو۔ مولوی صاحب نے عرض کیا کہ بحث و دلیل میں ہم کبھی اُن سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ شاہ صاحب نے اس کے جواب میں فرمایا کہ میں اگر کہوں اور اُس کے جواب میں وہ کہہ دے کہ آپ ہی نے تو حدیث پڑھاتے وقت مجھ کو اس فعل کی اولویت بتائی ہے اب آپ ہی منع کرتے ہیں۔ تو میں کیا جواب دوں گا۔ اس پر بھی بھولے بھالے اور بوڑھے مولوی صاحب نے اپنی درخواست پر مزید اصرار کیا تب جناب شاہ صاحب نے طنز آمیز الفاظ میں فرمایا کہ تم نے مجھ سے صحاح پڑھی تھی یا پوتھی۔

شاہ صاحب کا قول صحاح ستہ پڑھی تھی یا پوتھی

سید احمد صاحب کا مشن ہدایت خلق کے لئے دورہ کرتے کرتے جب لکھنؤ پہنچا اور وہاں کے علما کے کانوں میں ایسی صدائیں پڑنے لگیں جس کے سننے کے وہ لوگ خوگر نہ تھے تو ایک بزرگ مولوی خیرالدین صاحب نے جناب شاہ عبدالعزیز صاحب کے حضور میں ایک استفتا بھیجا جس کے اخیر میں اُن کی جو غرض اصلی تھی اُس کو بھی لکھ دیا کہ مولوی اسمٰعیل وغیرہ نے جو سفر کیا ہے اور وعظ و تذکیر کر رہے ہیں۔ آپ کی اجازت سے یا اپنے ارادہ سے؟ اس کے جواب میں جناب شاہ صاحب نے بغیر اس کے کہ اُن کے فتوے کا جواب لکھیں صرف اس قدر اپنے دست خاص سے لکھا (جس کو جامع اوراق نے بچشم خود دیکھا ہے اور جس کا ماحصل یہ ہے) کہ برخورداران عبدالحی و اسمٰعیل درحالیکہ وہاں موجود ہیں تو اس فقیر کو جواب استفتا کی تکلیف دینی فضول ہے جو کچھ دریافت کرنا ہو اُن لوگوں سے دریافت کر لیجئے اُن کا کہنا عین اس فقیر کا کہنا ہے۔

لکھنؤ کا خط

شاہ صاحب کا جواب

مولانا شہید کو حسب دستور خاندان پہلے ریاضی کی تعلیم دی گئی۔ اُقلیدس کے چاروں مقالے ایک مہینہ میں ختم کر دیئے پانچواں مقالہ شروع کرنے سے پہلے حساب میں اچھی خاصی مہارت پندرہ روز میں پیدا کر لی۔ جس سے پانچواں اور چھٹا مقالہ بھی آسانی سے پڑھ لیا پھر جبرو مقابلہ۔ علم مثلث۔ مساحت وغیرہ وغیرہ سے بھی دو ڈھائی مہینے میں فرصت کر لی اب ریاضی کی ہر شاخ میں عمدہ دستگاہ حاصل ہو گئی۔

مولانا شہید کی ابتدائی تعلیم ریاضی کی

آپ کی طبیعت کو تاریخ و جغرافیہ سے بہت مناسبت تھی ہندوستان اور علی الخصوص پنجاب کا جغرافیہ اکثر دیکھا کرتے اور یہی گویا اُن کے آیندہ ارادے کا پیش خیمہ تھا المختصر ۱۴ یا ۱۵ برس کی عمر میں آپ فارغ التحصیل ہو گئے۔

تاریخ و جغرافیہ سے مناسبت

ذہانت[1] اور حافظہ کا معتدبہ حصہ مولانا شہید کے دماغ میں جو قدرت سے ودیعت ہوا تھا وہ ایسا ہی تھا جس سے ایک ہی مدرسہ اور ایک ہی اُستاد کے متعدد

ذہانت

[1] اس میں شک نہیں کہ مولانا شہید کی ذہانت کی نظیر اُس زمانہ میں نہ تھی اور وہ بے انتہا ذہین تھے۔ مگر میاں صاحب کی محنت، جفاکشی، مطالعہ اور ملکہ نے اس کمی کی ایسی تلافی کر دی تھی کہ ترازو کے دونوں پلڑے برابر برابر ہو گئے تھے۔ ایک انگریز کا قول ہے "بعض آدمی کو لوگ بڑا ذہین سمجھتے ہیں مگر حقیقت میں وہ بڑے محنتی ہوتے ہیں"

تعلیم یافتوں میں زمین و آسمان کا فرق پایا جاتا ہے۔

شہسوار

آپ گھوڑے کی سواری میں بڑے مشاق تھے نہایت چالاک اور سخت سرکش گھوڑوں پر قابو رکھتے بغیر زین ورکاب کے ننگی پیٹھ گھوڑے پر بے تکلف چڑھتے۔

فنون سپہ گری

پٹے بازی، بنوٹ وغیرہ میں اچھا خاصہ ملکہ تھا۔ جس سے آپ کے خاندان والوں کو سخت تعجب ہوتا۔

جفاکشی ریاضت وغیرہ

جفاکشی کی عادت کو بھی بہت کچھ ترقی دی تھی زیادہ پاؤ برہنہ یا دھوپ میں چلنا۔ دوڑنا۔ بھوک پیاس گرمی اور جاڑے کی سختیوں کو برداشت کرنا۔ بہت کم سونا اور نیند کو اختیار میں رکھنا کہ جب چاہا سو رہے اور جب چاہا جاگ اُٹھے۔

پہلا وعظ

آپ نے پہلا وعظ توحید کا جب مسجد جامع میں کہا اور شرک و بدعت سے نفرت دلائی۔ تو دہلی میں سخت شورش برپا ہوئی۔ اور اکبر شاہ ثانی تک لوگوں نے شکایتیں

اکبر شاہ ثانی نے طلب کیا

پہنچائیں۔ بادشاہ نے آپ کو طلب کیا۔ عام بہی خواہوں نے کہا کہ آپ پہلے رزیڈنٹ سے ملاقات کرلیں تب دربار میں جائیں مگر آپ نے کسی کی نہیں سنی اور نہایت جسارت و دلیری سے بادشاہ کو خط لکھا کہ اگر آپ مجھ کو بلاتے ہیں تو مراسم دربار سے مجھ کو معذور رکھیں میں اُسی آداب سے ملاقات کرسکتا ہوں جس کی خدا اور رسول نے مجھ کو ہدایت کی ہے بادشاہ نے منظور کرلیا اور آپ

بادشاہ نے تعظیم و تکریم کی

قلعہ کے اندر تشریف لے گئے اور اکبر شاہ ثانی کے جواب میں اس طرح دلیرانہ گفتگو کی کہ وہ نہایت محظوظ ہوئے اور بہت ہی تعظیم و تکریم کے ساتھ آپ کو رخصت کیا، یہ تھی خودداری اور سلف ریسپکٹ !!!

خودداری

مولانا فضل حق کا قول کہ شہید حکیم امت محمدیہ تھا

مولانا فضل حق مرحوم منطقی خیر آبادی اور مولانا شہید میں باوجودیکہ معاصرت کی وجہ سے اختلاف تھا مگر جس وقت شہید کی خبر شہادت مولانا نے سنی اُس وقت وہ غلام یحییٰ کا سبق پڑھا رہے تھے سننے کے ساتھ کتاب بند کردی اور سناٹے کے عالم میں کئی گھنٹے خاموش بیٹھے روتے رہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اسمٰعیل کو ہم مولوی نہیں جانتے تھے بلکہ وہ اُمت محمدیہ کا حکیم تھا کوئی شے نہ تھی جس کی انیت اور لمیت اُس کے ذہن میں نہ ہو۔ امام رازی نے اگر حاصل کیا تو دود چراغ کھا کر اور اسمٰعیل نے محض اپنی قابلیت اور استعداد خداداد سے

۲۹ کسبیوں نے توبہ کی

بہتیری کسبیوں نے توبہ کی

مولانا شہید نے دو بار کسبیوں کے مجمع میں بھی وعظ کہا ایک مرتبہ تیس کسبیوں میں سے اُنتیس ۲۹ نے توبہ کرکے نکاح کر لیا اور دوسری بار ایک بہت بڑے مجمع کی کل کسبیوں نے توبہ کر لیا بوڑھیوں نے محنت مزدوری پر گذارہ اختیار کیا اور جوانوں نے نکاح کرکے پردہ نشینی اختیار کر لی۔

بیواؤں کے نکاح کا رواج

بیواؤں کے نکاح ثانی کا رواج دہلی میں بھی نہ تھا مگر جب آپ کو اس کی اصلاح کا خیال ہوا۔ اور وعظ میں نکاح ثانی کے فوائد اور برکات کو بیان کرنا شروع کیا تو قریب دس ہزار کے بیکس اور بے بس بیوائیں نہ صرف شوہر والیاں بلکہ گھر والیاں ہو گئیں اور بقیہ زندگی ان کی زحمت کے عوض رحمت بن گئی اور یہ رسم اُس وقت سے اب تک دہلی میں برابر جاری ہے۔

صحن جامع مسجد دہلی میں سودا بیچنے کی اصلاح

سیتلا کی پرستش کو روکنا

عشرہ محرم کے رسوم قبیحہ کی اصلاح

قبروں پر چلہ باندھنے کی اصلاح

جامع مسجد کے صحن میں خوانچہ والے حوض کے گرد دکان لگا کر سودا بیچتے تھے اور سیڑھیوں پر کھلونے فروخت ہوتے آپ کے ایک وعظ کی تاثیر سے یہ باتیں بھی موقوف ہو گئیں۔ سیتلا کی پرستش مسلمانوں میں بھی ہوتی تھی اُس کے مٹانے میں آپ نے بڑی کوشش کی اور آخر مٹا ہی چھوڑا۔ عشرہ محرم میں جو جو قبیح رسمیں مروج تھیں۔ یا جن میں شرک و بدعت کا ذرا بھی شائبہ تھا اُس کے دور کرنے کے لئے آپ نے متواتر وعظ فرمائے۔ اور نمایاں کامیابی حاصل کی۔ قبروں پر چلے باندھنے کے لئے شرفا کی مستورات جایا کرتی تھیں۔ مولانا شہید نے علاوہ قرآن و حدیث کا وعظ سنانے کے اُن کے مَردوں کو غیرت دلائی اور ایک قلم اُس کو بھی موقوف کرا دیا۔

سماع کی اصلاح

گور پرستی کی بیخ کنی

صوفیوں میں جس طریقہ پر سماع ہوتا تھا اُس کی نسبت بھی آپ سے بہت کچھ اصلاح ظہور میں آئی۔ گور پرستی کی بنیاد کو منہدم کر دیا۔

کتاب حقیقت تصوف

صوفیہ اور تصوف کی اصلاح

ایک کتاب آپ نے لکھی جس کا نام "حقیقت تصوف" تھا اب یہ نایاب ہو گئی ہے۔ اُس میں آپ نے سچے صوفیوں کی تعریف لکھی ہے اور اب جو من گھڑت باتیں داخل تصوف ہو گئی ہیں اُن کی بُرائی بیان کی ہے۔ اس کتاب سے اس طبقہ والوں کی بھی بہت کچھ اصلاح ہوئی۔

وعظ کی تاثیر

آپ کے وعظ کے بہتیرے قصے زبان زد خلایق ہیں اور اس میں شبہ نہیں کہ

جو صداقت اور تاثیر آپ کی تقریر میں تھی دوسروں میں بہت کم پائی جاتی ہے اور بمصداق "آنچہ از دل خیزد در دل ریزد" سبب اصلی بھی آپ کی کامیابی کا یہی تھا۔

دوسرا رسالہ آپ کا ہے "تَنْوِیْرُ الْعَیْنَیْنِ فِیْ اِثْبَاتِ رَفْعِ الْیَدَیْنِ"

رسالہ تنویر العینین پر شاہ عبدالعزیز صاحب کی رائے

یہ رسالہ جب آپ نے لکھا اُس وقت مولانا شاہ عبدالعزیز اور مولانا شاہ عبدالقادر قدس سرہما (بڑے اور سنجھلے چچا) دونوں ہی حضرات زندہ تھے اور دونوں بزرگوں نے بہت ہی پسندیدہ نگاہ سے اس کو دیکھا۔ بڑے حضرت نے یہ بھی فرمایا "خدا کا شکر ہے کہ یہ گھر محققین علم حدیث سے خالی نہیں ہے"

تقویۃ الایمان

ایک اور کتاب آپ کی "تقویۃ الایمان" ہے جس میں توحید اور اتباع سنت کی تحریص و ترغیب اور شرک و بدعت سے اجتناب کا بیان اور ترہیب ہے ایک

حقیقت نبوت

اور رسالہ آپ کا ہے جس کا نام "حقیقت نبوۃ" ہے

منصب امامت

ایک بے نظیر اور فقید المثل کتاب آپ کی "منصب امامت" ہے جس میں مسئلہ امامت کا بیان ہے کتاب تو ہے فارسی میں مگر نہایت ہی دقیق ہے جس کے سمجھنے کے لئے بھی بڑی قابلیت درکار ہے افسوس کہ ناتمام ہے۔

ایضاح الحق الصریح

ایک اور رسالہ آپ کا ہے "ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح" جو اپنے موضوع میں آپ ہی اپنی نظیر ہے۔ افسوس کہ ناتمام ہے۔ ایک اور

صراط مستقیم

رسالہ ہے "صراط مستقیم" یہ بھی اپنے ڈھب کی عجیب کتاب ہے

منطق و فلسفہ کے رسالے

اس کے علاوہ بہتیرے رسالے منطق فلسفہ وغیرہ کے ہیں۔

مولوی سدید الدین خاں کی حسرت

امین مدرسہ عالیہ کلکتہ مولوی سدید الدین خاں خلف الرشید مولوی رشید الدین خاں جن کا بہت ہی نادر کتب خانہ ایام غدر ۱۸۵۷ء میں دہلی میں لٹ گیا ہمیشہ نہایت ہی افسوس کے ساتھ فرماتے کہ ہم کو اپنے کتب خانے کے لٹ جانے کا اس قدر افسوس نہیں ہے جس قدر اُن حواشی کے ضائع ہو جانے کا ہے جو مولانا شہید نے علمی کتابوں پر لکھے تھے کیوں کہ وہ کتابیں تو پھر بھی مل سکتی ہیں مگر اُن حاشیوں کا ملنا اب محال ہے

ایک حکایت آپ کی مشہور ہے کہ جناب شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ نے

ایک نہایت ہی مہتم بالشان مسئلہ کی نسبت فتوے لکھا اور اُس کو اپنی جگہ چھوڑ کر زنانخانہ میں کسی ضرورت کے لئے تشریف لے گئے۔ اس اثنا میں مولانا شہید آگئے اور اس کو پڑھ کر بعض فروگذاشتوں کا جواب اپنے قلم سے لکھ کر چلے گئے شاہ صاحب نے لوٹ کر جب اِس کو دیکھا تو بہت محظوظ ہوئے اور فرمایا الحمد للہ ابھی تک ہمارے خاندان میں علم باقی ہے۔

جناب شاہ عبد العزیز صاحب کی بعض فروگذاشت

سکھوں سے جہاد کا ذکر

سکھ مذہب کے بانی تو تھے گرونانک جن کا مذہب تھا صلح کل اور مقصد تھا ہندو اور مسلمانوں کو ملا کر ایک معجون مرکب بنانا مگر اُن کی وفات کے کچھ ہی دنوں بعد اُن کے جانشینوں میں اسلام اور مسلمانوں کی جانب سے ایسی کشیدگی پیدا ہوگئی کہ وہ عداوت کی صورت میں نہایت ہی خطرناک ثابت ہوئی۔ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں تو مسلمانان پنجاب کی وہ بُری گت بنائی گئی کہ الاماں الحفیظ۔

سکھوں سے جہاد گرونانک کا ذکر

مولانا شہید کو اُن مظالم کی خبریں متواتر پہنچتی تھیں شہید کا دل خدا نے ایسا بنایا ہی نہ تھا کہ وہ مظلوموں کی امداد میں اپنی جان فدا نہ کردے آخر جور و ستم کی خبریں سنتے سنتے جب یارائے ضبط نہ رہا تو آپ نے اپنے شیخ طریقت سید احمد صاحب کو امام تسلیم کرکے مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ جہاد کے لئے پنجاب پہنچے گورنمنٹ انگلشیہ نے بھی آپ کے اس ارادے میں کسی طرح کی مزاحمت یا پیچیدگی پیدا نہیں کی۔

سید احمد صاحب قدس سرہ کی امامت

مولانا شہید نے اولاً سرحدی اقوام یوسف زئی (جو کہ خود سر مسلمان تھے) میں پہنچ کر سید صاحب کی امامت کو تسلیم کرایا اور اُس قوم کی قوم نے سید احمد صاحب کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی۔ جملہ مسلمان جو اُس جنگ میں موجود تھے اُن کی جمعیت ایک لاکھ آدمی سے کم نہ تھی ہتھیار اور سپاہی بھی سکھوں کے ہتھیار اور سپاہیوں کے برابر ہی تھے اُن سے بڑھے نہ تھے۔ مگر پٹھانوں کی دغابازی نے قوم کا ستیاناس کردیا ؎

قوم یوسف زئی کی بیعت جہاد پر

پٹھانوں کی دغابازی

شکست و فتح تو قسمت سے ہے ولیکن میر		مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا

مولانا شہید نے اپنی مدبرانہ قوت کی بدولت ایسی خوبی و خوش اسلوبی سے

شہید کی مدبرانہ قوت

جنگ شروع کی جیسا کہ ایک بڑے قابل اور تجربہ کار جنرل کو کرنا مناسب تھا اور اس سبب سے بیشتر مواقع میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوتی رہی۔

سکھوں کی چال

جب سکھوں نے دیکھا کہ عنقریب مسلمان تمام پنجاب پر قابض ہو جائیں گے تو اُنہوں نے اپنے پٹھانوں کو (جن کی تعداد معتدبہ تھی اور جو سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے) گانٹھا اور اُس بے وفا قوم نے عین حالت جنگ میں بے وفائی کی جس سے مسلمانوں کو شکست ہوئی اور مولانا شہید اپنے سردار اور ہمراہیوں سمیت ۲۴۔ ذی القعدہ ۱۲۴۶ھ کو ترپن برس کی عمر میں شہید ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پٹھانوں کا کمینہ پن

شہادت شہید

پیارے شہید نے جہاد کا ارادہ بطمع ملک و دولت و عزت و حب جاہ و حصول سلطنت کے نہیں کیا تھا۔ بلکہ صرف قومی ہمدردی اور اسلام کی عزت مدنظر تھی چنانچہ اپنے ایک خط میں وزیرالدولہ بہادر رئیس ٹونک کو لکھتے ہیں۔

مولانا شہید کا خط

"تمام عمر خود را بلکہ ہر ساعتے از ساعات روز و شب در سعی و اقامت جہاد صرف نمایند و جمیع اوقات عزیزہ را بہمیں مساعی جمیلہ معمور دارند و صرف عمر گرانمایہ را درہمیں شغل عین سعادت عظمےٰ شمارند خواہ سعی مذکور بانجام رسد یا نرسد چہ مقصود صرف عمر خود ست در اطاعت رب العالمین واتباع سید المرسلین" انتہےٰ ملخصاً

اور ایک دوسرے مطول مکتوب میں جو بنام میر شاہ علی صاحب کے ہے لکھتے ہیں "کہ ہر کس اگرچہ تنہا و ضعیف و قلیل الاستطاعت باشد بمجرد استماع دعوت امام از خانہ خود بدود و جان خود را مع ہر قدر از سامان جنگ کہ میسر باشد در مجمع مسلمین رساند تا قیام جہاد صورت بندد، ایں کہ جان خود را از سلک عباد اللہ برکشیدہ در زمرۂ عباد الاجوفین داخل گردانند و ایں رکن رکین دین متین را گذاشتہ در کاسہ لیسی اغنیاء متمردین و فرج سائی نسوان ناقصات العقل والدین مشغول شوند سبحان اللہ حق اسلام ہمیں ست کہ بیخ رکن اعظم او را برکشند و کسے کہ باوجود ضعف و ناتوانی غیرت ایمانی و حمیت اسلامی در سینۂ او جوش زند او را ملام و مطعون سازند" انتہےٰ ملخصاً

دوسرا خط

مولانا شہید کے ایک صاحبزادے تھے جن کا نام تھا محمد عمرؔ وہ بھی ۱۲۹۹ھ

مولانا شہید کے بیٹے

ؔ میاں صاحب فرماتے تھے کہ مولوی محمد عمر نہایت عابد و زاہد آدمی تھے نماز نہایت ہی (دیکھو صفحہ ۱۱۵)

شہید کے خاندان کا خاتمہ

ہیں لاولد رحلت کر گئے اور اس طرح مولانا شہید کے خاندان میں کوئی اُن کا خلف نہ رہا۔

میاں صاحب کی مجددیت

ناظرین کو یہاں تک پہنچنے کے بعد معلوم ہو گیا ہو گا کہ مولانا شہید نے مجددیت کی بنیاد ڈال دی تھی مگر بسبب اس کے کہ آپ کی عمر صرف ۴۵ برس کی ہوئی اور ایک معتد بہ زمانہ آپ کا جہاد میں صرف ہوا۔ علم الٰہی میں اس کی ضرورت تھی کہ اس تجدید کو کامل کرنے کے لئے ایک خاتم بھی آگے سے موجود رہے چنانچہ پیارے شہید کی شہادت سے تیس برس پہلے ایک دوسرا شخص دوسرے خطہ میں پیدا کر دیا گیا تھا۔ جو دہلی میں شاہ ولی اللہ شاہ عبدالعزیز شاہ محمد اسحٰق اور مولانا شہید قدس اللہ سرہم کا جانشین ہو کر رہے اور تجدید کا جو کام مولانا شہید نے شروع کیا تھا اُس میں فترہ بھی واقع نہ ہوا اور چوں کہ مولانا شہید کا خاندان صلبی زیادہ مدت تک چلنے والا نہ تھا اس لئے حسب سنت اسلامی یہ خلیفہ بھی دوسرے ہی خاندان میں پیدا ہوا جو آگے چل کر خاندان شاہ ولی اللّٰہی کا جانشین ثابت ہوا۔

استقامت کے ساتھ درازی عمر

اس جانشین سے مراد ہیں مولانا سید محمد نذیر حسین قدس سرہٗ جن کی دو باتیں خاص قابل لحاظ ہیں ایک تو استقامت اور دوسری صحت وثبات عقل کے ساتھ سوبرس کی عمر طویل۔

دو مولوی نے مجددیت کا دعویٰ کیا

تیرھویں صدی ہجری میں مجددیت کا دعویٰ تو اکثر حضرات نے کیا اور صاحب تالیفات کثیرہ بزرگان قوم میں سے ایک صاحب نے تو صرف دعا پر قناعت کی اللھم اجعلنی مجددا علی راس المائۃ الا ثنیۃ اور دوسرے صاحب نے کھلے لفظوں میں اپنے کو مجدد کہا یہاں پر ہم کو ایک ہندی کے شاعر کا جس کا تخلص بھیکا تھا ایک شعر یاد آ گیا ہے ؎

بھیکا بات اگھم کی کہن سنن میں ناں		جو جانے سو ناں کہے جو کہے سو جانے ناں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۴) خشوع وخضوع سے ادا کرتے رکوع وسجدہ میں اتنا مکث طویل کرتے جب تک دوسرا آدمی سبحان ربی العظیم۔ سبحان ربی الاعلیٰ ستائیس اٹھائیس بار پڑھ لیتا۔ بادشاہ دہلی نے اکثر اُن کی ملاقات کی تمنا کی اور اراکین دولت کو پیغام ملاقات دیکر اُن کے پاس بھیجا آپ نے جواب میں یہی کہا کہ جس باپ کی نسبت سے بادشاہ میری ملاقات چاہتے ہیں اُن کی بزرگی مجھ میں نہیں ہے اور اسی عذر پر کبھی ملاقات نہیں کی ۱۲

مجدد کے معنی اور دین کا مجدد کون شخص ہوسکتا ہے

اور فی الواقع بات بھی یہی ہے۔ مجدد کے معنی ہیں تازہ کرنے والا اور دین کا مجدد وہی شخص ہوسکتا ہے جو دین کے اُن ریشوں میں تازگی کی روح پھونک دے جو مضمحل ہوچکے ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ فی الواقع اس لقب کا مستحق کون شخص ہوسکتا ہے؟ یہ تو ظاہر ہے کہ اس کا حقیقی استحقاق اُسی شخص کو حاصل ہوگا جس کی بدولت دین کے ریشہ ہائے مضمحل میں ایسی نضارت آجائے۔ جس سے بہتیرے نئے قلم لئے جاسکیں اور ان ریشوں میں جب امراض متضادہ مہلکہ پیدا ہوجائیں تو وہ اُس ماہرفن باغ بانی کی تدبیر سے دور ہوسکیں۔

رسوم و بدعات بجائے خود اجسام شرعیہ کے لئے امراض مہلکہ کا حکم رکھتی ہیں۔ یہ خطرناک بیماریاں کس کے علاج سے دور ہوئیں؟ شریعت وطریقت کے اجسام وارواح میں کیوں کر تندرستی اور طافت آگئی؟ اس کا امتحان مجددیت کے خصوص میں امور مفصلہ ذیل سے ہوسکتا ہے:۔

مجددیت کا امتحان

خیالات کی اصلاح ہو، زمانہ کی ہوا بدل جائے۔ مردہ اور سست دل زندہ اور چست ہوجائیں۔ مصلحین اتباع کی تعداد میں ترقی ہو۔ سنن وبدعات کے فرق نمایاں طور پر نظر آنے لگیں۔ خلق اللہ کو شعائر اسلام کے ساتھ دلچسپی ہو اور اسلامی کاموں میں ترقی۔

میاں صاحب کی کوشش ہفتاد سالہ

اب دیکھنا یہ ہے کہ کس کی ذات کا اثر کہاں تک ان امور پر پڑا تو ظاہر ہے کہ ستر برس تک جو شخص قرآن وحدیث کا نہ صرف درس دیتا رہا بلکہ اُسی کام کا ہوگیا۔ نوکری نہیں کی۔ دولت دنیا پر لات ماری۔ علم کو وجہ معیشت نہیں ٹھیرایا لوم لائم کی پروا نہیں کی اور قاضی القضاۃ تک کے عہدے کو قبول نہیں کیا۔

اتباع کی کثرت

جس سے اُس کے مستفیدین اور اتباع کی کثرت اور شہرت اس قدر ہوگئی کہ اب حصر صحیح اُن کا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ ایسے شخص کے مقابلہ میں کیا کسی تیز نگاہ منصف آدمی کی نگاہ کسی ظاہری دولت اور وجاہت والے شخص پر پڑسکتی ہے اس کا انصاف ناظرین ہی کے حوالہ ہے۔

جاہلوں کا تو شمار نہیں مگر پڑھے لکھے مسلمان حضرات میں سے کوئی صاحب

ہندوستان میں اشاعت حدیث

یہ بھی تو فرماویں کہ حدیث نبوی کی اشاعت ہندوستان میں جیسی ہمارے ہیرو (مجدد) سے ہوئی کیا اُس کی کوئی نظیر قرون ماضیہ میں بھی ہے ؟ ہرگز نہیں۔

میاں صاحب کے زمانہ کے قبل علما کی تحصیل کی انتہائی حد درس نظامیہ اور فقہ و فتاوے کی کتابیں تھیں اور آج وہ زمانہ ہے کہ آپ کے متبعین کا تو کیا ذکر مقلدین بھی اپنے دعوی پر قرآن و حدیث سے استدلال کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ باتیں صرف تعامل سے پیدا ہوئی ہیں ؎

مقلدین کا قرآن و حدیث سے استدلال کرنا

وجد و منع بادہ صوفی ایں چہ کافر نعمتی ست		منکر مے بودن و ہم رنگ مستاں زیستن

متبعین و تلامذہ کی کثرت سے ہر شخص بہ آسانی سمجھ سکتا ہے کہ جس کے جتنے اتباع زیادہ ہوں گے اُتنا ہی اُس کے ریفارم بھی زیادہ ہوں گے۔ جس کا اصلی سرچشمہ متبوع کی ذات ہے۔

حلقۂ درس کی ترقی

میاں صاحب نے حلقۂ درس کی ترقی میں اَن تھک کوششیں کیں فاقوں پر فاقے ہوئے مگر ملازمت نہیں کی۔ دلی کو نہیں چھوڑا جہاں کے وہ سجادہ نشین ازل سے ہوئے تھے اور اس سبب سے قابل، جید اور عالم باعمل تلامذہ کی تعداد میں اتنی ترقی ہوئی۔ جس کا عشر عشیر بھی کسی مدرس کے حصہ میں نہیں آیا۔

نماز میں تعدیل ارکان

میں نے پہلے خود دیکھا ہے کہ نمازیوں میں تعدیل ارکان کا خیال بہت کم تھا اس کے لئے بھی شیخ نے نہ صرف وعظ و ارشاد سے کوشش کی بلکہ خود اپنا نمونہ دکھایا جس سے علاوہ متبعین کے مخالفین میں بھی ایک طرح کا خیال تعدیل ارکان کا ہوگیا۔

عام طور پر درس حدیث کا رواج

ہر مذہب کے مدرسے اور ہر مذہب کے علما میں درس حدیث کا رواج، عامیوں میں ترجمۂ قرآن مجید و حدیث کے پڑھنے کا شوق، مسجدوں کی آبادی، نمازیوں کو مسجد جانے کی پابندی، ان سب امور سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی زبردست طاقت کے نمونہ نے لوگوں کو صراط مستقیم کی طرف کھینچا ہے۔

مجھ کو تو معلوم نہیں شاید ہی تلاش سے کوئی جگہ ہندوستان میں ایسی نکل آئے جہاں شیخ کا اثر براہ راست یا بذریعہ تلامذہ اور متبعین کے نہ پہنچا ہو۔ اور جوں کہ

تعلیم کا علمی اور عملی ہونا

میاں صاحب کی تعلیم قال اور حال دونوں ہی پر مشتمل تھی۔ اس لئے علم حدیث کی تعلیم علاوہ علمی کے عملی بھی ہوتی تھی۔ اخلاص، حق گوئی، راستبازی، بے تکلفی، اور سادگی کا نمونہ چوں کہ خود آپ کی ذات تھی۔ اس لئے تلامذہ اور متبعین میں بھی اتباع کا جوش پیدا ہو جاتا تھا۔ اور چونکہ شیخ زبان سے کسی کو کسی کام کے کرنے کو نہیں کہتے تھے۔ بلکہ اُن کے فیض صحبت اور مشق و تمرین سے وہ جوش پیدا ہوتا تھا اس لئے وہ ہانڈی کے اُبال کے مشابہ نہ تھا بلکہ اُس میں ثبات و دوام رہتا۔

توحید کی اشاعت

توحید کی اشاعت۔ موحدین کی کثرت اور شرک و بدعات سے نفرت جس طرح شیخ کی ذات سے اور شیخ کے زمانے میں ہوئی ازمنہ ماضیہ میں بھی اس کی کوئی نظیر آسانی سے نہیں مل سکتی۔ اسلام کا اصلی چہرہ شرک وبدعات کی کلف وبہق (جھائیں اور چھیپ) سے جو دھندلا اور بدنما ہو گیا تھا توحید وسنن کے صیقل سے ماہ دوہفتہ بن کر چمکنے لگا۔

دیہاتوں کی مساجد میں جماعت پنجگانہ اور جمعہ و قربانی

دیہاتوں کی مساجد میں اب پنجگانہ جماعتیں بھی ہوتی ہیں اور جمعہ بھی۔ قربانی کا فخر پہلے صرف متمولین کے حصہ میں تھا اب ہر ایسے شخص کو حاصل ہے جس سے قربانی ممکن ہے۔

تالیف کتب اور درس کتب درسیہ سے تجدید کو تعلق نہیں ہے

اس میں شک نہیں کہ بعض بزرگان قوم کو تالیت وتراجم کتب کی نسبت گونہ امتیاز حاصل تھا۔ اور بعض کو کتب درسیہ نظامیہ کے پڑھانے میں بھی اچھا ملکہ حاصل تھا۔ مگر بہ نظر تعمق اگر دیکھا جائے تو اس کا تعلق تجدید کے ساتھ کچھ بھی نہیں ہے۔

مجدد کا فرض

مجدد کا اصلی فرض ہے دلوں میں توجہ الی اللہ، شوق، ولولہ اور جوش پیدا کر دینا اور علم کو عملی پیرایہ میں دکھانا۔ اب ناظرین ہی انصاف کریں کہ یہ باتیں تصنیف وتالیف تراجم وتدریس کتب درسیہ سے کہاں تک حاصل ہوسکتی ہیں یہاں تو ضرورت ہے اس کی ع ہر کہ شمشیر زند سکہ بنامش خوانند۔

رسالہ دلگداز کا مضمون مجددیت پر

جس زمانہ میں فریقین مقلدین وغیر مقلدین کے طبقہ علمائے کرام میں سے بعض حضرات نے اپنی بعض مطبوعہ تصانیف میں دعویٰ مجددیت کا کیا تو رسالہ دلگداز کے قابل اڈیٹر نے اپنے ماہوار رسالہ نمبر ۱ جلد ۴ بابت ماہ جنوری ۱۸۹۰ء

میں مجددیت پر ایک مدلل مضمون لکھا جس کا عنوان تھا "ہمارے ریفارمر"
ہم اس مضمون کو بلفظہٖ بحذف بعض عبارات غیر متعلقہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

"حدیث میں آیا ہے کہ ہر صدی کے ابتدا پر ایک مجدد ہو گا جو دین اسلام کو ازسرِ نو زندہ کرے گا۔ اسلامی دنیا پر غور کر لیجئے تو ایک صدی میں بہت لوگ ایسے ملیں گے جن کو مجدد ہونے کا درجہ حاصل تھا۔ صحابہؓ کے بعد ابتدائی زمانہ اُن پہلے فقہا اور محدثین کا تھا۔ جنہوں نے علم فقہ کو خود ہی شروع کیا اور خود انتہا ترقی پر پہنچا دیا اور جنہوں نے حدیث کو ایک علم بنا دیا اور اپنی پوری پوری عمریں اُسی کی تدوین میں صرف کر دیں اس میں شک نہیں کہ وہ بہت ہی عمدہ اور اعلیٰ کامیابی کا زمانہ تھا جس نے ایک دو نہیں صدہا مجدد پیدا کر دئے تھے۔ اُن کی کوششوں سے صرف اُنہیں کی صدی کو نفع نہیں پہنچا بلکہ اُن کی دین داری کے جوش نے اسلام میں ایسی جان ڈالی جو قیامت تک باقی رہے گی۔ وہ اپنی صدی ہی کے نہیں بلکہ اسلام کے پوری عمر کے مجدد تھے۔ ہاں اُن کے عہد کے بعد جب اسلام میں خرابیاں اور فتنہ و فساد پیدا ہونے لگے تو اُن کو دفع کرنے کے لئے مختلف اوقات میں ایسے علما پیدا ہوتے رہے جنہوں نے اپنے زمانہ کے اہل اسلام کے ساتھ وہی کام کیا جو انبیاء بنی اسرائیل یکے بعد دیگرے یہود کے ساتھ کرتے رہے۔

اسلام کا زمانۂ عروج اُن لوگوں سے معمور ہے جو دین کی خدمت میں اپنا مثل اور نظیر نہیں رکھتے۔ وہ لوگ جن کے حالات دریافت کرنے لئے آج ہم تاریخ کے صدہا ورق اُلٹ ڈالتے ہیں اور آج کل کے خیر خواہان قوم جن کے حالات ڈھونڈھتے پھرتے ہیں۔ وہی ہمارے دین کے مجدد تھے طبقات علما اور ہر صدی کے فضلاء کی سوانح عمری دیکھئے تو معلوم ہو کہ وہ کس رتبہ کے لوگ تھے اُنہوں نے جو کچھ کیا ہے اُس میں کوئی اُن کی شرکت کا بھی دعویٰ کر سکتا ہے یا نہیں۔

مشاہیر علما جن کے نام اور جن کی عظمت دریافت کرنے کے لئے تواریخ کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں اور جن کا حال اسلامی دنیا کے ہر بچہ کو معلوم ہے اُن کا شمار بھی تو صدیاں کیسی اُن برسوں کے برابر ہو گا جو ظہور اسلام سے

لے کر ہمارے عہد تک گذرے۔ اس پیشین گوئی میں جو ہر صدی پر ایک مجدد بتایا گیا ہے شاید اس سے اقل تعداد مجدد کی مراد ہے کیوں کہ قیامت کے قریب والی صدیوں میں جب کہ علم دنیا سے اُٹھ جائے گا تو کوئی تعجب کی بات نہیں کہ ہر صدی پر ایک ہی مجدد ہو اور آج سے پیشتر تو ہر صدی میں صدہا ایسے گذر گئے جو بجائے خود ایک مجدد کی حیثیت رکھتے تھے۔ افسوس گذشتہ زمانہ کے بے نفس علما کا داب تھا کہ زمانہ اُنہیں مجدد مان رہا تھا مگر وہ براہ انکسار انکار ہی کرتے تھے۔ مگر اب ایسا زمانہ شروع ہوا ہے کہ آج کے علماء میں سے بعض بعض کا شوق ہے کہ اپنے کو مجدد کہلاویں۔

نواب صدیق حسن خاں اور مولانا ابوالحسنات مولوی عبدالحی صاحب مرحوم کے باہمی مباحثات کو جس نے دیکھا ہوگا۔ وہ دیکھ لے گا کہ اپنی اپنی زبان سے مجدد ہونے کا کیوں کر دعوئے کیا گیا۔

مگر ہم کو اس سے کیا بحث خدا کرے ایسا ہی ہو۔ غور طلب یہ امر ہے کہ تجدید کا رفارم جو کیا جائے تو کیوں کر کیا جائے ایک عقلی فلسفہ جس میں انسانی ذہن بہت واضح ترقی کر سکتے ہیں اُس کا یہ حال ہے کہ اسلام کے ایک ہزار سال کی علمی وسعت اور ترقیوں میں دو ہی چار علما ایسے ہوں گے جنھوں نے یونانیوں کے مسلمات کو توڑ کر فلسفہ کو نئے اصول پر قائم کیا ہو۔ معلم اول کا خطاب جس شخص کو دیا گیا اُس کی نسبت ابھی تک صریحی دعویٰ نہیں ہو سکتا۔ کہ اُس نے سوائے اس کے کہ فلسفہ کو نہایت خوبی سے ایک جدید زبان میں منتقل کر دیا۔ کسی قسم کی تجدید بھی کی۔ جب عقلیات کا یہ حال ہے تو علوم نقلی جن پر دین کا مدار ہے ان میں تجدید کرنا نہایت دشوار کام خیال کیا جا سکتا ہے۔ رسالت جس وقت اپنا منصب پورا کر چکی اور صریح الفاظ میں کہہ دیا گیا۔ کہ اب دین قیامت تک انہیں اصول پر رہے گا۔ اور اس میں کسی قسم کا تغیر تبدل نہ ہوگا۔ پھر رفارم اور تجدید کے کیا معنی۔ ظاہر ہے کہ تجدید کا لفظ جب دینیات میں استعمال کیا جائے گا تو اُس سے لغوی معنی ہرگز مراد نہ لئے جائیں گے کیوں کہ احکام الٰہی میں تغیر اور تبدل نہیں ہو سکتا۔

تجدید کے معنی اس موقع پر یہ ہوں گے کہ دین نیا کر دیا جائے یعنی دین کا جوش جو دلوں میں کم ہو گیا تھا وہ از سر نو پیدا کر دیا جائے۔ عبادت کا ذوق و شوق احکام الٰہی کی محبت اخلاق کے اعلیٰ نمونے خدا ترسی کی برکتیں جس کا مختصر یہ کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر جو دنیا میں کم ہو گئے ہوں اُن میں پھر ترقی ہو جائے۔ اور دل جو معصیت کے زنگ سے خراب ہو گئے ہوں اُن میں پھر جلا دیدی جائے۔ اصطلاح میں تجدید کے یہ معنی ہیں اور اسی قسم کی کارروائی کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ وہ سچا رفارم ہے۔

آج کل جس قسم کے رفارم کیے جا رہے ہیں اُن سے اسلام میں اصلاح تو درکنار روز بروز اور زیادہ خرابیاں پیدا ہوتی جاتی ہیں۔ وہ لوگ جو مقتدائی کے مسند پر بیٹھے ہیں اُنہوں نے رفارمر کا وزنی لفظ جو یورپ سے اور ولایتی اسباب کے ساتھ ہندوستان میں آیا ہے ابھی تک نہیں سنا۔ ہاں اُن کو مجدد کا لفظ پیش پا اُفتادہ ملتا ہے اگرچہ اُنہوں نے کسی دل کو بھی اسلام کا سچا پرجوش مطیع نہیں بنایا۔ ایک شخص بھی اُن کے پند و نصائح سے ایسا نہیں ہوا کہ اسلام اور دین نبی ہاشمی کا دردمند ہوتا۔ وہ اپنی علمی تحصیل اور اپنے شاگردوں کی کثرت پر مجدد ہونے کے مدعی ہیں۔

تمام علما کے گروہ میں اگر کسی شخص پر یہ خطاب پھبتا ہے تو وہ

شیخ الکل اور سند الوقت جناب مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب محدث دہلوی ہیں

کیوں کہ ان کی برکت سے محبت رسول اللہ اور پابندی سنن رسول ہندوستان میں پھیلی۔ حدیث کو یہاں کے علما نے چھوڑ دیا تھا۔ جس کے متروک ہو جانے سے اسلام کے بڑے بڑے اصول درکنار خود توحید میں فرق آ گیا تھا۔ مولانا ممدوح کی کوشش سے اس مقدس علم کو ایسا رواج ہوا کہ آج ہر شہر اور ہر قریہ میں کچھ نہ کچھ چرچا ضرور ہے۔

دوسری طرف وہ جماعت ہے جو عربی تعلیم کو تعلیم ہی نہیں خیال کرتی اور

تعلیم یافتہ کا لفظ خاص اپنے لئے مخصوص کر لیا ہے اُس کے نزدیک لفظ مجدد کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ کیوں کہ اُن لوگوں کے خیال میں مجدد کا انتظار بھی ایک قسم کی ضعیف الاعتقادی ہے۔ ہاں لفظ رفارمر کچھ اُنہیں ایسا پیارا معلوم ہوا ہے کہ ہر انگریزی داں نوجوان رفارمر بننا چاہتا ہے۔ ہمیں بھی افسوس ہے کہ یہ خطاب نوعمروں ہی میں صرف ہو گیا وہ تجربہ کار اور سن رسیدہ حضرات جنہوں نے دراصل ان موجودہ خیالات کو ہندوستان میں پھیلایا ہے اپنے لئے کونسا خطاب اختیار کریں گے۔ مگر رفارمر کا لفظ عام اس سے کہ نوعمروں میں رہے یا بوڑھے تعلیم یافتوں میں افسوس اسلام کے حال پر دونوں کی توجہ ایک ہی قسم کی ہے ظاہر ہے کہ انگریزی جدید فلسفہ نے دونوں کو آزاد بنا دیا ہے اپنی اصلاح یا رفارمیشن کا کام کرتے وقت امید نہیں کہ ایک کو بھی یہ خیال رہے کہ دین کے آئین و قوانین تبدیل کے لئے نہیں ہوتے اور نہ اس کی جزئیات میں عقلی معرکہ آرائیوں کی گنجائش ہوتی ہے جس داب اور جس عظمت کی نظر سے ایک پیغمبر برحق کی تعلیمات کو دیکھنا چاہیئے اُس ادب سے تو دنیا خالی ہو گئی۔ جن لوگوں نے اصلاح کا کام اپنے سر لیا ہے وہ اس قسم کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں جیسے کہ ایک پیغمبر دوسرے پیغمبر کی شریعت پر تصرف کرتا تھا"۔

تصوف

مصنف کا رسالہ تصوف موسوم بہ الصوفیۃ والتصوف

"**الصوفیۃ والتصوف**" ایک مستقل رسالہ ہمارا ہے جس میں تصوف سے تفصیلی بحث کی گئی ہے شائقین ناظرین اُس رسالہ کے ذریعہ سے ہر مدعی تصوف کو پرکھ سکتے ہیں۔ کہ فی الواقع وہ صوفی ہے یا نہیں۔ مگر یہاں مبحوث عنہ ہے

میاں صاحب کا تصوف

میاں صاحب کا تصوف اُس میں ہمیں دیکھنا چاہیئے اُن کے اعمال کو اُن کی مطول لائف کو اور اُن کی استقامت کو جو کمال نبوت و ولایت قرار دیا گیا ہے اور قرآن مجید میں ان لفظوں میں صدور حکم ہوا ہے فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ

علم بالشریعۃ والطریقۃ

پہلی بات صوفیوں کے لئے تو علم بالشریعۃ والطریقۃ ہے جس میں سارے صوفیہ کرام متفق ہیں کیوں کہ یہ بہت ہی پرانی مثل ہے " جاہل صوفی شیطان

کا مسخرہ"

میاں صاحب کا علم شریعت وطریقت تو مسلمات قطعیہ یقینیہ سے تھا نہ صرف ہندوستان میں بلکہ دنیائے اسلام میں جس پر شاہد ہیں آپ کی نسبت علمائے معاصرین کی رائیں جن کی تفصیل آیندہ آئے گی۔ اور موسم حج میں جہاں دنیائے اسلام کے علما اور مسلمان جمع تھے باشارہ مکہ سے آپ کا یہ کہنا "کہ ہدایہ جو بہت معتبر اور مشکل کتاب حنفی مذہب کی ہے آپ اس کے کسی مقام کو پڑھوا کر اس کا مطلب علمائے حرمین سے بھی سنیں اور مجھ سے بھی سنیں تب آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم حنفی مذہب کو کیسا سمجھتے ہیں ۵

کارے نہ کرد جز بہ کمالات علم و عقل		گوئی کہ صد عمامہ بہ زیر کلاہ داشت

کتاب الرقاق

صحیح بخاری وغیرہ کتب صحاح میں آپ جس وقت کتاب الرقاق پڑھاتے اور نکات تصوف کو بیان فرماتے تو خود کہتے صاحبو ہم تو احیاء العلوم کو یہاں دیکھتے ہیں اسی لئے طبقہ علمائے کرام میں شیخ اکبر محی الدین بن عربی کی بڑی تعظیم کرتے اور خاتم الولایۃ المحمدیہ فرماتے اور بات بھی یہی ہے کہ علم ظاہر و باطن کی ایسی جامعیت ندرت سے خالی نہیں ہے۔ مولانا قاضی بشیر الدین قنوجی علیہ الرحمۃ جو شیخ اکبر کے سخت مخالف تھے ایک مرتبہ دہلی اسی غرض سے تشریف لائے کہ ان کے بارہ میں میاں صاحب سے مناظرہ کریں۔ اور دو مہینے دہلی میں رہے اور روزانہ مجلس مناظرہ گرم رہی مگر میاں صاحب اپنی عقیدت سابقہ سے جو شیخ اکبر کی نسبت رکھتے تھے ایک تل کے برابر بھی پیچھے نہ ہٹے آخر مولانا ممدوح جن کو خود میاں صاحب سے کمال عقیدت تھی دو مہینے کے بعد واپس تشریف لے گئے۔ مولانا مغفور اکثر طلبہ کو کتب درسیہ پڑھا کر حدیث پڑھنے کے لئے دہلی بھیج دیتے چنانچہ بیشتر شاگرد مولانا مغفور کے میاں صاحب کے بھی شاگرد ہیں۔ مگر چوں کہ ان لوگوں کے خیالات شیخ اکبر کی طرف سے مولانا مغفور کے سینچے ہوئے تھے۔ ان میں بہت کم ایسے ہیں جو شیخ اکبر کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوں۔ مولانا ابو الطیب محمد شمس الحق (جو مولانا مغفور کے تلمیذ خاص اور میاں صاحب کے شاگرد رشید ہیں) نے بھی میاں صاحب سے کئی دن

شیخ اکبر کی تعظیم اور ان سے محبت

شیخ اکبر کے بارہ میں مولانا بشیر الدین سے مناظرہ

متواتر شیخ اکبر کی نسبت بحث کی اور فصوص الحکم شیخ اکبر پر اعتراضات جما دئے۔ میاں صاحب نے پہلے تو سمجھایا مگر جب دیکھا کہ ابھی لا نسلم ہی کے کوچہ میں یہ ہیں تو فرمایا کہ "فتوحات مکیہ آخری تصنیف شیخ اکبر کی ہے اور اس لئے اپنی سب تصانیف ماسبق کی یہ ناسخ ہے" اس جملہ پر یہ بھی سمجھ گئے۔

فصوص الحکم پر اعتراضات اور سب کا جامع و مانع مسکت جواب

دوسری تعلیم صوفیہ کرام کی مواظبت علی الطہارۃ ہے جو زینہ ہے آیندہ کی ترقیات گوناگوں کا۔

مواظبت علی الطہارۃ

یہ بات نہایت ہی تشفی بخش طور پر کہی جاسکتی ہے کہ سوائے اُن تین چار گھنٹوں کے جو خواب میں گذرتے تھے بحالت بیداری مشکل سے کوئی وقت آپ کا ایسا گذرتا ہو جس میں آپ باوضو نہ ہوں کیوں کہ ایک بجے رات کو آپ بیدار ہوتے اور وضو کے بعد نماز تہجد میں ساڑھے تین بجے شب تک مشغول رہتے پھر اس کے بعد مسجد میں آکر در مسجد یا صحن میں بیٹھ کر مراقبہ اور ذکر میں مصروف رہتے اور مقامات کے مناسب اشعار نہایت ہی دردناک لہجہ میں پڑھا کرتے نماز صبح کے بعد قرآن مجید کا درس ہوتا۔ پھر ۱۱ بجے تک حدیث شریف جیب میں تسبیح بھی رہتی۔ اور ہاتھ بھی۔ اوراد واذکار ماثورہ خود پڑھتے اور طلبہ کو حدیث پڑھاتے جاتے ۱۱ بجے مسجد سے گھر اور ۱۲ بجے گھر سے مسجد واپس آجاتے اُس وقت سے مغرب تک تین وقتوں کی نمازیں اور درس کے سوا دوسرا کام ہی نہ تھا۔ فریضہ مغرب کے بعد گھر جاتے اور ثلث شب کے قریب نماز عشا کے لئے آجاتے۔

طہارت کے بعد ہی ہے عبادت اور طہارت ہے بھی عبادت ہی کے لئے جس نے نماز میں آپ کی اقتدا کی ہے یا ساتھ نماز پڑھی ہے یا پڑھتے ہوئے دیکھا ہے اگر اُس کے سینہ میں دل اور دل میں کچھ بھی مذاق تصوف ہے تو وہ سمجھ سکتا ہے کہ ایسی ہی عبادت تطلع الی الجبروت کے لئے بلند مینار کا کام دے سکتی ہے۔

عبادت

قرأت میں خشیت مرعوبیت گریہ تعدیل ارکان اور قرۃ العین یہ سب باتیں ایسی تھیں جس سے تعبد اللہ کأنک تراہ کے معنی اچھی طرح سمجھ میں آجاتے تھے غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادت کی مثال بھی ٹھیک روح اور جسد

عبادت کی مثال روح وجسد کی مثال ہے

کی مثال ہے اس کی ظاہر صورت بمنزلۂ جسد کے ہے اور کیفیت قلبی بمنزلۂ روح کے
توجس طرح روحانی قوت کا پتہ حرکت شرائین سے لگا لیتے ہیں اسی طرح روحانی
عبادت (جس کو ہم بلفظ دیگر مراقبہ کہتے ہیں) کا پتہ بھی ہیئت ظاہری سے اچھی
طرح لگ جاتا ہے جس کا نام اصطلاح میں خشوع و خضوع ہے ؎

رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل		جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے

تصوف کا تیسرا رکن سماحت نفس یا خلق حسن ہے جس کا ایوان عالی شان
مشتمل بھی ہے انہیں چودہ ستونوں پر اور قائم بھی ہے انہیں کے بل پر۔

عفت[۱] اجتہاد[۲] عفو[۳] سخاوت[۴] تقوی[۵] زہد[۶] قناعت[۷]
جود[۸] قصر امل[۹] تواضع[۱۰] حلم[۱۱] اناءۃ[۱۲] رفق[۱۳] صبر[۱۴]

(چودھویں میں داخل ہے مصیبت میں جزع فزع نہ کرنا۔ آرام طلبی، خواہشات
نفسانی، ہنسی ٹھٹھول، مسخراپن، افشاء راز، اور قطع دوستی سے پرہیز کرنا)

عفت — **عفت**[۱] عنفوان شباب میں آپ دہلی پہنچے مولانا شاہ عبدالخالق رحمۃ اللہ
(جو شیخ وارا کین دہلی سے تھے) کے مکان پر ٹھیرے پانچ برس تک تحصیل علم میں
مصروف رہے اور تقریباً چند برس کے بعد مولانا ممدوح نے اپنی صاحبزادی سے
آپ کی شادی کر دی۔ جس کے متکفل نوشہ کی طرف سے جناب مولانا شاہ
محمد اسحق اور مولانا محمد یعقوب قدس سرہما تھے۔

ایک سن رسیدہ تجربہ کار شیخ نوجوان اور نوجوانوں کی چال چلن کی نسبت
تو سرسری نگاہ سے دیکھنے پر بھی رائے صحیح قائم کر سکتا ہے۔ چہ جائے کہ چند برس
کی طویل مدت جو ادھیڑ اور بوڑھے متقی نماؤں کی اصلی چال چلن کا پتہ لگانے
کے لئے بھی کافی مدت سے بہت زیادہ ہے، ناظرین ہی انصاف کریں کہ کیا
اس سے بڑھ کر معتبر کوئی وثیقہ بھی عفت کے خصوص میں ہو سکتا ہے۔

اجتہاد — **اجتہاد**[۲] کے معنی ہیں دوسروں کی بھلائی کی کوشش کرنا، دوسروں کی
سفارش — سفارش کرنے میں میاں صاحب کو بہت مزا آتا تھا۔ جاڑا گرمی برسات
حالت بارش — ہر موسم میں بلکہ مختلف اوقات شبا روزی دن رات اندھیری اور چاندنی راتوں
میں اہل حاجات کی سفارش کے لئے میلوں پیادہ پا بلکہ کبھی برہنہ پا بھی چلے جاتے

لوگوں کی چیزیں بارش وغیرہ کی حالت میں خود جاکر بازار سے خرید کر لاتے۔ طلبہ
کے لئے نہ صرف دن رات کا کھانا بارش گرمی اور سردی کے موسم میں اپنے ہاتھ
سے مدرسہ ومسجد میں پہنچاتے بلکہ رمضان میں سحری تک خود پہنچاتے اندھیری
اور ایسی بارش کی حالت میں جب کہ طلبہ کو مدرسہ کے دروازے پر جاکر کھانا اپنا
لے لینا دشوار تھا۔ اور مدرسہ کی گلی میں گھٹنوں تک پانی کھڑا تھا۔ میں نے اپنے
کانوں سے **میاں صاحب** کی آواز مدرسہ کے کوٹھے سے سنی کہ گلی میں کھانا
دسترخوان میں لپیٹے ہوئے پکار رہے ہیں اجی فلاں مولوی صاحب اپنی روٹی
لے لو۔

نکاح پڑھانا

دہلی کی آبادی تقریباً دو ڈھائی لاکھ آدمیوں کی ہے۔ اور مسلمان بھی بہت
ہیں رئیس امیر متوسط الحال اور ہر غریب آدمی کو یہ تمنا رہتی تھی کہ اُس کا یا اُس کے
لڑکے اور دوسرے عزیزوں کا نکاح **میاں صاحب** پڑھاتے ہم کو ابھی تک
اس کا علم نہیں ہے کہ کسی موقع پر **آپ** نے انکار یا پہلو تہی کی ہو۔ چنانچہ ایک
موقع پر ایک شریف عورت کو (جب کہ اُس کے سوتیلے بیٹے سے قضیہ پیش تھا)

شریف عورت کا قصہ

انہیں لفظوں میں **آپ** نے سمجھایا تھا کہ "ارے ہم نے تیری نانی کا نکاح
پڑھایا تیری ماں کا نکاح پڑھایا تیرا نکاح پڑھایا اب تو ایسی بذات ہو گئی"
جس پر وہ رونے لگی اور عرض کیا کہ جس طرح **آپ** چاہیں تقسیم کر دیں ہم کو
منظور ہے۔

خطوط سفارش

اہل حاجات سفارش کے خطوط **آپ** سے بہت لکھواتے اور کبھی کبھی
بلا درخواست **آپ** خود بھی لکھ کر دے دیتے۔ المختصر اہل حاجات کی کسی
زمانہ میں کمی نہیں اور **میاں صاحب** کا دل اُن کی امداد سے غنی نہیں۔

تجہیز وتکفین و نماز جنازہ

جس وقت کسی مسلمان غریب یا امیر کے مرنے کی خبر پاتے فوراً سبق کو
بند کر کے اُس کی تجہیز وتکفین اور نماز جنازہ میں شریک ہوتے۔

عفو — رام پوری کا قصہ

عفو **آپ** کے مخالف دشمنوں میں سے ایک آدمی رام پور کا رہنے والا
سفر حج میں ابتدا سے ساتھ ہوا اور واپسی تک ساتھ نہ چھوڑا۔ کسی موقع میں
تکلیف دینے یا ایذا رسانی سے اُس نے اغماض نہیں کیا صرف وہ اپنے منصوبہ

قتل میں ناکامیاب رہا۔

ہندوستان پہنچنے سے کچھ ہی دنوں بعد وہ مسجد میں آپ سے ملنے کو آیا آپ نہایت ہی بخندہ پیشانی اُس سے ملے۔ تھوڑی دیر کے بعد اُس نے درخواست کی کہ آپ ایک سفارشی خط نواب رام پور کے نام لکھ کر مجھ کو دیں۔ میاں صاحب نے فرمایا کہ بھائی میں غریب آدمی ہوں میری سفارش کا وزن نواب کے نزدیک کیا ہوگا۔ اُس نے باصرار عرض کیا کہ حضور لکھ تو دیں۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا میں خط لکھ کر رکھوں گا عصر کے بعد آکر لے جائیو۔

طالب علموں کی ذات تو نہایت غنیمت ہوتی ہی ہے اس کی خبران حضرات نے مولوی تلطف حسین صاحب کو دیدی (جن کا ذکر سفر حج میں گذر چکا) عصر کے بعد وہ بھی بیٹھ گئے آخر وہ رام پوری صاحب آئے ادھر میاں صاحب نے اُن کے ہاتھ میں خط دیا۔ اُدھر مولوی تلطف حسین صاحب اُٹھے اور اُس کے ہاتھ سے خط کو چھین کر پھاڑ کر پھینک دیا اور غصہ میں بہت کچھ بولے بکے اور اُس کی اُن سب کرتوتوں کو سفر حج کے میاں صاحب کو یاد دلایا۔ آپ نے سوائے سکوت کے مولوی صاحب کا کچھ جواب نہ دیا۔ جب مولوی صاحب ممدوح اپنے گھر گئے تو آپ نے رام پوری صاحب سے فرمایا کہ اس وقت جاؤ کل آنا۔ اور یہاں نہیں میرے مکان کی گلی میں ٹھیرے رہنا۔ میں تم کو وہیں خط دے دوں گا چنانچہ اسی طرح دوسرے دن اُس کو میاں صاحب نے نواب رام پور کے نام خط لکھ کر دے ہی دیا۔ ہرچند اس کی خبر بھی پہلے ہی ان ذات شریف طلبہ نے مولوی صاحب ممدوح کو دے دی تھی مگر اب کی وہ دوبارہ جرأت نہ کر سکے اور اسی شعر پر قناعت کی ؎

نواب رام پور کے نام سفارش کا خط دینا مولوی تلطف حسین صاحب نے خط کو پھاڑ دیا

دوسرے دن دوسرا خط دیا

نہ دیدی کہ مردان راہ خدا	دل دشمناں ہم نہ کردند تنگ

اور یہ خیال بھی تھا کہ اب اگر ہم ایسی کوئی حرکت کریں گے تو میاں صاحب خود اُس کے گھر خط لے جا کر دے دیں گے۔ بالآخر معلوم ہوا کہ وہ اُسی خط کے ساتھ نواب رام پور کے پاس گیا اور کامیاب ہوا۔

آپ کے دشمن جانی بھی جب سامنے آکر اپنی حاجتیں پیش کرتے تو

آپ بکشادہ پیشانی نہایت ہی ہنسی خوشی سے اُن کی حاجت روائی کرتے جس سے
دیکھنے والا کبھی یہ نہ سمجھ سکتا کہ یہ ان کا دشمن ہے یہاں تک کہ محمد شاہ پنجابی بھی جس سے
بڑھ کر اُستاد کش شاگرد ہو نہیں سکتا۔ آخر عمر تک جب اُن کو خرچ کی ضرورت ہوتی
تو بے تکلف چلے آتے اور عرض کرتے کہ آج کل خرچ کی طرف سے سخت تکلیف
ہے آپ فوراً روپیہ سے اُن کی مدد کرتے طلبہ آپ کے اس انداز سے
دل میں بہت خفا ہوتے۔ مگر سوائے اس کے کہہ کیا سکتے تھے ؎

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا	دل دشمناں ہم نہ کردند تنگ

ایک دن عطاء اللہ مرحوم سوداگر پنجابی (جو اکثر آپ کے حضور میں حاضر
رہتے تھے) کہنے لگے کہ "ان (میاں صاحب) سے بہت ڈرتا ہوں" پوچھا
سبب؟ کہنے لگے "کہ ایک دن ان کے ایک دشمن نے ارادہ کر لیا کہ آج ان کو
قتل کر ڈالے۔ چنانچہ رات کے وقت تلوار لے کر حبش خاں کے پھاٹک میں
چھپ کر گھات میں رہا کہ نماز عشا کے لئے مسجد جاتے ہوئے یا وہاں سے گھر آتے
ہوئے قتل کر دے الغرض اسی موقع پر جب اُس نے جاتے یا آتے دیکھا تو
چیترا بدل تلوار سوت کر آپ کے سامنے آ پہنچا آپ نے ڈانٹ کر کہا کہ میں
اگر بنی فاطمہ ہوں تو تو اپنے ارادے میں کبھی کامیاب نہ ہوگا۔ یہ کہنا تھا کہ اُس کے
بدن میں لرزہ پڑ گیا۔ تلوار ہاتھ سے گر گئی اور وہ اپنے گھر کو بھاگا گھر پہنچنا تھا کہ
اُس کے پیٹ میں شدید درد ہوا۔ یہاں تک کہ زندگی سے جب مایوسی ہو گئی تو
لوگوں کو بلا کر اُس نے کہا کہ میں غضب الٰہی میں مبتلا ہوں۔ اور صورت حال یہ ہے
چنانچہ اُسی کی زبان سے اِس واقعہ کی اشاعت ہوئی۔ اور اُسی دن وہ مر گیا۔

سخاوت

سخاوت کی اعلیٰ ترقسم ایثار علی النفس ہے۔

حافظ عبد المنان محدث وزیر آبادی۔ روایت کرتے ہیں کہ اوائل حال میں
جب کہ عسرت غالب تھی اور بیشتر فاقہ کی نوبت آتی مولوی محمد دین پنجابی آپ
کے مہمان ہوئے آپ نے اپنے حصہ کا کھانا دونوں وقت اُن کو کھلانا شروع
کیا اور خود تین شبانہ روز متواتر اور متوالی فاقے کرتے رہ گئے۔ اس حالت
میں بھی نہ تو پابندی اوقات میں فرق آیا اور نہ معمولات میں جس سے کسی کو

ان فاقوں کی خبر تک نہ ہوئی جب آپ اُس زمانہ میں بیٹھ کر نہ پڑھا سکتے تو لیٹے لیٹے سبق پڑھاتے مگر ناغہ نہ کرتے یہ معنی ہیں یؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ کے۔

مساکین مسجد کے دروازے پر آکھڑے ہوتے تو آپ خود جاکر چپکے اُن کو کچھ اس طرح دے آتے کہ کسی کو خبر بھی نہ ہوتی۔ کہ کیا دیا۔ مولوی عبدالحمید سوہدروی لکھتے ہیں کہ "ایک روز میاں صاحب نے مجھ کو دو روپے دئے چونکہ میرے پاس اپنا خرچ موجود تھا میں نے ہرچند عذر اور انکار کیا لکنہ ابی الا الاعطاء پھر یہی صاحب لکھتے ہیں کہ" ایک دن نماز ظہر یا عصر میں میاں صاحب صف اول میں تھے اُن کے دائیں ایک طالب علم تھا۔ میاں صاحب کے پیچھے دوسری صف میں میں تھا نماز سے فارغ ہوتے ہی اُسی جگہ بیٹھے ہوئے نہایت اخفا کے ساتھ اُس طالب علم کو کچھ دے دیا میرے نزدیک اس صدقہ کی خبر سوائے دینے والے اور پانے والے کے کسی کو نہ ہوئی اور مجھ کو اس سبب سے ہوئی کہ اتفاقاً میں آپ کے پیچھے تھا مگر آپ کو یا اُس طالب علم کو میرے دیکھنے کی بھی خبر نہ ہوئی اُس وقت رجل یتصدق بیمینہ یخفیھا من شمالہ اور انفاق فی السر کا مطلب میری سمجھ میں آیا"

تقوٰے تقوٰے جس کی تعریف قرآن مجید میں ان لفظوں میں کی گئی ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم میاں صاحب جب طلبہ کو بعد تحصیل حدیث اُن کے گھر رخصت کرتے تو فرما دیتے اوصیکم بتقوی اللہ۔ تقوی کی دو قسمیں ہیں ایک تو عبادات و عادات میں۔ دوسری ماکل و مشارب میں۔ عبادات میں جیسا حدیث من تمسک بسنتی۔ وایاکم ومحدثات الامور پر عمل آپ نے خود کیا اور لوگوں سے اس حکم کی تعمیل کرائی۔ شاید ہندوستان میں اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی۔ رہی عادات تو پابندی اوقات کا بیان پڑھ کر ناظرین خود سمجھ جائیں گے کہ ایسے شخص کے پاس غیبت یا ازیں قبیل دور از کار باتوں کے لئے وقت ہی کہاں تھا۔ باقی رہے ماکل و مشارب تو ظاہر ہے کہ نہ کسی طرح کا معاملہ اُن کے ساتھ تھا نہ دنیاوی بکھیڑے۔ فتوحات

وجہ اوقات تھے یہاں حرام اور مشتبہ کی صورت ہی کیا ہو سکتی تھی البتہ بعض موقع میں بعض خبیث النفس آدمی نے آپ کو حرام کھلانا چاہا مگر خدا نے ان کو اُسی طرح بچا لیا جس طرح وہ اولیاء اللہ کی ہمیشہ مدد کیا کرتا ہے بنحوائے بی یسمع وبی یبصر۔ چنانچہ مولوی محمد بدر الحسن سہسوانی بیان کرتے ہیں کہ "میں نے ایک مرتبہ میاں صاحب کی دعوت کی آپ تشریف لائے مگر کھانے کے قبل آپ کو غثیان وتہوع شروع ہو گیا اور قے ہوئی۔ اس لئے آپ نے کھانا تناول نہ فرمایا۔ آپ کی تشریف لے جانے کے بعد میرے نوکر کے پیٹ میں شدید درد اُٹھا جس سے وہ نیم بسمل ہو گیا (اُس کا نام تھا عبد النبی رہنے والا تھا رام پور کا اور دل میں میاں صاحب سے سخت عداوت رکھتا تھا) جب غایت تکلیف میں وہ اپنی زندگی سے مایوس ہوا تو مجھ سے بمنت کہنے لگا کہ "آپ میاں صاحب سے میرا قصور معاف کرا دیجئے۔ یہ درد نہیں ہے بلکہ میری شامت اعمال کی سزا خدا کی طرف سے ہو رہی ہے" اس پر میں نے کیفیت واقعہ دریافت کی تو کہنے لگا کہ غایت عداوت کے سبب میں نے بکرے کے گوشت کی جگہ سوئر کا گوشت اُن کے لئے پکایا تھا مگر اُن کو تو اُس کے کھانے سے خدا نے محفوظ رکھا اور اب مجھ پر یہ عذاب الٰہی نازل ہوا۔

حرام کھلانے کا اقدام اور اُس کی سزا

المختصر میں اُس کو میاں صاحب کے حضور میں لے گیا اور سارا ماجرا بیان کیا آپ نے شکر باری تعالیٰ کیا پھر میں نے عفو تقصیر کی سفارش کی آپ نے دعا کی۔ "اے مجیب الدعوات تیرے رسول کریمؐ کے ساتھ لوگوں نے کیا کچھ نہیں کیا دھوکے بھی دئے شعبدے بھی کئے پھر اگر مجھ ناچیز بندے کے ساتھ کسی نے کچھ کیا تو تو معاف کر تو ارحم الراحمین ہے اور ہدایت کر کہ ہادی الضالین ہے چنانچہ اُسی وقت خدا نے اُس کو درد سے نجات بخشی اور وہ میاں صاحب کے دست مبارک پر تائب ہوا بیعت کی اور اُس کا نام عبد اللہ رکھا گیا اب وہ ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلا گیا اور وہیں بود و باش اختیار کی"

میاں صاحب نے دعا کی

توبہ اور بیعت

عبد اللہ کی ہجرت

زہد غذا میں آپ اکثر روٹی۔ سرکہ یا ستو کبھی بھنے ہوئے چنے کبھی روٹی سالن اور کبھی روٹی شہد پر بس کرتے۔ ہمارے مولانا عبد العزیز سلمہ رحیم آبادی

زہد

معمولی غذا

روایت کرتے ہیں کہ "میں نے ایک دن شیخ کی دعوت کی اپنے رفیق کو آپ کے حضور میں بھیجا کہ جاکر عرض کرو کہ آج دوپہر کا کھانا میرے ہاں تناول فرمائیں جب کھانے کا وقت گذرنے لگا اور تشریف نہ لائے تو میں خود حاضر ہوا دیکھا کہ روٹی اور سرکہ تناول فرما رہے ہیں میں کیا کہوں جو کیفیت اُس وقت میرے دل کی ہوئی۔ غالباً آپ کو میری دعوت کا خیال نہ رہا تھا"

میرشاہ جہاں مدظلہ کی تحریر کا جواب

جناب میر شاہ جہاں صاحب مدظلہٗ آپ کے خویش نے چند سوالات تحریری آپ کے پاس بھیجے جس کا جواب مورخہ ۱۰۔ ماہ جمادی الآخرہ ۱۳۱۶ھ اِس وقت میرے پیش نظر ہے اُس میں کا ایک فقرہ یہ ہے " دولت نہ کبھی ہمارے پاس ہوئی نہ اب ہے جو کسی کے پاس چھوڑ جاؤں۔ خرچ کے موافق اللہ تعالیٰ دیتا رہا اُس کا احسان ہے"

لباس کی حالت ناظرین لباس کے باب میں ملاحظہ فرمائیں کہ محض معمولی اور کم قیمت کپڑوں کا ہوتا تھا۔

بیٹھنے کے لئے روئی دار گدہ

آپ کے جاں نثار معتقدین میں ایک سوداگر تھے پنجابی عطاء اللہ نام اُنہوں نے ایک دن عرض کیا کہ میاں صاحب آپ بہت ضعیف ہوئے ٹاٹ پر بیٹھنے میں تکلیف ہوتی ہے ایک روئی دار گدہ بنا دیتا ہوں اُس پر بیٹھ کر پڑھایا کیجئے جواب میں آپ نے فرمایا ع پُرانی قبر پر کیا گچ کروگے + اور اُن کی التماس کو منظور نہ کیا یہ معنی ہیں کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل کے۔

قناعت

قناعت نواب سکندر بیگم مرحومہ والیہ بھوپال اپنے مدار المہام منشی جمال الدین مرحوم کے ساتھ دہلی آئیں۔ اور میاں صاحب سے عہدۂ قضائے ریاست کے قبول کرنے کی استدعا کی مگر آپ نے ملازمت سے قطعاً انکار کیا اور فرمایا کہ میں تو وہاں کا قاضی القضاۃ ہوکر امیرانہ ٹھاٹھ سے مسند لگائے حاکم بنا ہوا بیٹھا رہوں گا یہ غریب طلبا چٹائی کے بیٹھنے والے مجھ کو کہاں ڈھونڈھتے پھریں گے یہ معنی ہیں اللھم احینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین کے۔

قاضی القضاۃ ہونا منظور نہ کیا

جوڈ

جود: ڈاک پیون بلاناغہ آٹھ نو بجے آتا اور **میاں صاحب** کے نام کا جو خط ہوتا۔ اُن کے سامنے رکھ دیتا باقی خطوط جن جن طلبہ کے نام کے ہوتے اُن کو دے دیتا **میاں صاحب** اپنے نام کا خط کبھی خود پڑھتے اور کبھی کسی شاگرد کی طرف بڑھا دیتے کہ اس کو کھول کر پڑھو۔ ایک دن اثنائے سبق میں ایک خط **میاں صاحب** کے نام کا ڈاک پیون دے گیا۔ جس میں لکھا تھا

کتابوں کی چوری

کہ "میں بلااجازت **آپ** کے فلاں فلاں کتابیں جو تخمیناً ایک سو کئی روپیوں کی ہوں گی تھوڑا عرصہ ہوا کہ لے کر یہاں کول چلا آیا ہوں۔ **آپ** معاف کر دیجئے اور تفسیر جلالین بھیج دیجئے"۔ مضمون خط کو سُن کر **آپ** نے فرمایا "لکھ دو کتابوں

تفسیر جلالین بھیج دینے کی درخواست

کے لے جانے کا مضائقہ نہیں آپ آپئے چلے کیوں گئے" اُس وقت تو بات مذاق میں ٹل گئی۔ نماز عصر کے بعد **آپ** کبھی کبھی گھر جاتے اور جلد ہی واپس آجاتے اُس وقت اکثر آدمی مسجد ہی میں **آپ** کی ملاقات کے لئے بھی حاضر ہوتے۔ **میاں صاحب** مکان تشریف لے گئے اور چند آدمی ملاقات کی غرض سے آئے اُس دن خلاف معمول دیر بہت لگ گئی۔ یہاں تک کہ وہ لوگ انتظار کر کے واپس چلے گئے۔ اس کے بعد ایک کتاب ہاتھ میں لئے ہوئے **آپ** تشریف

جلالین کی روانگی

لائے اور ایک طالب علم کو دیا کہ اس کو اُن کے پاس کول کے پتہ سے بھیج دو دیکھا تو وہی تفسیر جلالین تھی جس کو خود بازار جاکر خرید کر لائے تھے۔

قصر اَمل

قصر امل: تقریباً اَسّی برس تک **آپ** دہلی میں زندہ رہے مگر اپنی اور اہل وعیال کی سکونت کے لئے ایک مکان بھی تعمیر نہ کرایا کرایہ کے مکان میں

تمام عمر مکان نہ بنانا

زندگی بسر کر دی اور وہ مکان بھی محض معمولی درجہ کا تھا۔ **آپ** جس حصہ میں خود رہتے تھے وہ صرف ایک سائبان جانب مشرق مغرب رویہ تھا جو گرمیوں کے موسم میں دوپہر کے بعد ایسا گرم ہو جاتا تھا کہ دوسرا آدمی بمشکل وہاں چند منٹ ٹھیر سکتا اور **آپ** وہیں بیٹھ کر فتوی یا خطوں کا جواب لکھتے جب کوئی طالب علم شدت گرمی کی شکایت کرتا تو بطور مذاق کے فرماتے کہ میں جس سائبان میں رہتا ہوں تم ایک گھنٹہ اگر وہاں جاکر سو رہو تو دو روپئے دیتا ہوں۔

تواضع

تواضع: طلبہ کے لئے مسجد میں شطرنجی کا فرش تھا مگر **آپ** خود ہمیشہ

چٹائی یا ٹاٹ کی نشست

اور ہر موسم میں چٹائی یا ٹاٹ پر بیٹھتے۔ مدرسہ میں طلبہ کی ملاقات یا کسی اور ضرورت سے تشریف لاتے تو اس بے تکلفی سے صف نعال میں بیٹھ جاتے کہ کسی کو اصرار کا موقع بھی باقی نہ رہتا۔

مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب لاہوری فرماتے ہیں۔ کہ میں جب دہلی میں پڑھتا تھا تو میاں صاحب اکثر میری فرودگاہ پر تشریف لاتے اور اُسی صف نعال کے قریب چٹائی پر بیٹھ جاتے میں باصرار عرض کرتا کہ حضور ادھر فرش پر بیٹھیں تو فرماتے ؎

بر بساطِ اغنیا ہرگز نیایند اہل فقر	زانکہ نقش بوریا ایں قوم را زنجیر پاست

شاہزادگان تیموریہ کی تکریم

فلک زدہ شاہزادگان تیموریہ جب آتے تو آپ اُن کی تکریم کے لئے کھڑے ہو جاتے اور مالی و بدنی نقد اور کوشش سے جو خدمت بن پڑتی آپ اُٹھا نہ رکھتے۔ کوئی شخص اگر اُن کے اوضاع پر غائبانہ کچھ تعریض کرتا تو آہ سرد بھر کر فرماتے "ہا۔ آج ان کی یہ حالت ہے ورنہ ہم جیسوں کا تو یہ سلام بھی لینا پسند نہیں کرتے تھے"

بازار سے سودا لانا

کتابیں اُٹھا کر خود لانا

میاں صاحب کی عادت تھی کہ اکثر بازار سے سودا خرید کر اپنے ہاتھوں میں لاتے شاگردوں یا رفیقوں میں سے کوئی باصرار اگر اپنے ہاتھوں میں لے لینا چاہتا تو اھل المال احق بہ کہہ کر ٹال دیتے حالت سبق میں کتابوں کے اُٹھا لانے کی اگر حاجت ہوتی تو خود جا کر اُٹھا لاتے۔ چاہے کئی بار کیوں نہ آنا جانا پڑے کبھی کسی طالب علم کو نہ کہتے کہ فلاں کتاب اُٹھا لاؤ۔

جذامی کی حکایت

مولوی حافظ عبدالمنان صاحب روایت کرتے ہیں کہ ایک روز ایک شخص مجذوم آپ کے سامنے آکر بڑی بے تکلفی اور جاہلانہ طریقہ پر کہنے لگا "میاں بجز حسین (نذیر حسین) دو کام ہیں بتا پہلے کون کام کرے گا" آپ نے فرمایا کہ "تو جس کام کو کہے پہلے وہی کروں گا" اُس نے کہا پہلے خدا کا کام کر بتا کہ الحمد سریچھ (شریف) امام کے پیچھے پڑھی جاوے یا نہیں اور ریھ یدین (رفع یدین) بھی کرنا چاہئے یا نہیں جب آپ مسئلہ بیان فرما چکے تو اُس نے کہا کہ لے اب میرا کام کر۔ میں بھوکھا ہوں۔ گھر سے کھانا لا کر کھلا۔ آپ مکان تشریف

لے گئے اور کھانا لاکر کھلایا

حافظ عبدالمنان صاحب کی حکایت

دوسری حکایت بھی یہی بزرگ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں بیت الخلا کی جانب جا رہا تھا رستہ روکے ہوئے ایک بیل بیٹھا ہوا تھا میں نابینا آدمی مجھ کو معلوم نہیں۔ اس اثناء میں کسی نے میرا ہاتھ چپکے سے پکڑ کر ایک طرف سے لیجا کر پاخانہ میں مجھے بٹھا دیا اور کلوخ بھی لاکر دے دئے جب میں حوائج ضروری سے فارغ ہو کر چلا تو پھر مجھے وہاں سے نکال کر نہایت رفق کے ساتھ راستے پر لاکر چھوڑ دیا ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ تم جانتے ہو کہ کون آدمی آج تمھارا قائد بنا تھا۔ اور بیل کے سینگ سے کس نے تمھاری جان بچائی میں نے کہا بھلا میں اندھا آدمی مجھے کیا معلوم تب اُس نے کہا وہ خود حضرت **میاں صاحب** تھے۔

قائد بن کر جان بچانا

۵

فروتنی ست دلیل رسیدگان کمال		کہ چوں سوار بہ منزل رسد پیادہ شود

ایک دفعہ حافظ صاحب ممدوح کے جوتے مسجد کے پھاٹک کے باہر پڑے ہوئے دیکھا خود اُٹھا کر لائے اور دے دیا۔

حلمؒ

حلم حافظ مولوی ڈپٹی نذیر احمد صاحب ایل ایل ڈی فرماتے تھے کہ "سفر حج سے لوٹتے ہوئے جب **آپ** دہلی ریلوے اسٹیشن کے ازدحام مستقبلین و زائرین میں پہنچے تو مصافحہ، دست بوس اور چپقلش کی کوئی حد نہ رہی۔ خاص خاص لوگ اپنے حلقہ میں لئے ہوئے پلیٹ فارم سے باہر آرہے تھے کہ کہیں ازدحام اور غوغائے عام میں **آپ** کو صدمہ نہ پہنچے ایک معاند نے مصافحہ اور دست بوسی کے بہانے **آپ** کے ہاتھ کے انگوٹھے میں اس زور سے دانت کاٹا کہ خون جاری ہو گیا اور انگوٹھا سخت مجروح ہوا **آپ** نے فوراً اُس انداز سے اپنی ردائے مبارک میں چھپا لیا کہ کسی کو اس واقعہ کا علم ہی نہ ہوا جب **آپ** مسجد میں پہنچے تو پانی لے کر اُس خون آلودہ ہاتھ کو دھویا۔ تب لوگوں کو اس واقعہ کا علم ہوا۔ لوگوں نے بہت اصرار سے اُس کا نام دریافت کیا۔ مگر **آپ** نے نہ بتایا اور چشم پوشی ہی سے کام لیا۔ سر سید احمد خان مرحوم **آپ** کی نسبت لکھتے ہیں " باوجود اس کمال اور اس استعداد کے مزاج

ایک معاند نے دانت سے انگوٹھا کاٹا

سرسید کی شہادت

میں خاکساری اور حلم گویا کوٹ کوٹ کر بھرا ہے باعتبار سن کے جوان اور باعتبار طبیعت کے حلیم اور وضع متین کے پیر"

عربوں کی زبردستی

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ چند عرب آئے اور انہوں نے **آپ** سے کہا کہ میری سفارش یہاں کے رئیسوں سے کردو **آپ** نے ہرچند عذر کیا مگر اُن عربوں نے کچھ نہ سنا اور پالکی لاکر زبردستی سوار کرا کے جس جس رئیس کے ہاں جانا ہے لے گئے **آپ** اُن لوگوں کے ہاں پالکی سے اُتر کر جاتے اور فرماتے کہ یہ لوگ ایسے اہل حاجت ہیں کہ مجھ کو زبردستی سفارش کے لئے لئے پھرتے ہیں میں کیا کروں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر رئیس نے (جہاں جہاں یہ لوگ لے گئے) اُس سے زیادہ ہی دیا جتنے کی اُمید تھی۔ ھ

تیغ حلم از تیغ آہن تیز تر	بل ز صد لشکر ظفر انگیز تر

رباعی

در مسلخ عشق جز نکو را نہ کشند	لاغر صفتان زشت خو را نہ کشند
گر عاشق صادقی ز کشتن مگریز	مردار بود ہر چہ کہ او را نہ کشند

انارۂ رفیق[12] سلامت درزی کی دعوت

انارۂ رفیق آرہ میں ایک درزی مسمیٰ بہ سلامت نے بڑی منت والحاح سے **میاں صاحب** کی دعوت کی جس سے دہلی جانے میں ایک دن کی تاخیر بھی ہوگئی۔ بالآخر **آپ** مع رفقا کے دس بجے دن کو اُس کے گھر پر تشریف لے گئے کھانا تیار نہ تھا۔ انتظار میں دو بج گئے مولوی ادریس صاحب سلمہٗ نے عرض کیا کہ حضور کو بہت تکلیف ہوئی۔ تشریف لے چلیں اِس کے جواب میں **آپ** نے لب پر اُنگلی رکھ کر آہستہ فرمایا "چپ رہو آئے کیوں؟ اور جب آئے تو بیٹھو" آخر کھانا آیا اور سب لوگوں نے جب کھا لیا تو وہاں سے رخصت ہوئے۔

سبق ناغہ ہونے پر طالب علم کا غصہ

ایک دن **میاں صاحب** حسب عادت کسی میت کی تجہیز وتکفین میں چلے گئے ایک طالب علم کا سبق ناغہ ہوگیا جب تشریف لائے اور اُس سے سبق لانے کو کہا تو وہ نہایت ہی غصہ میں بھرا ہوا تھا نہایت ہی درشتی سے اُس نے کتاب سامنے لانے سے انکار کیا۔ اور بہت سخت وسست کہا۔ کیا **آپ**

سمجھتے ہیں کہ دنیا میں آپ کے سوا کوئی اہل علم نہیں ہے؟ ملک خدا تنگ نیست پائے مرا لنگ نیست۔ آخر آپ نے بڑی منتوں سے اُس کو منایا کہا "بھائی جانے دو معاف کرو سبق لاؤ وہ بیچارہ تو دنیا سے گیا گذرا اور تم تو ابھی دنیا میں موجود ہو تمھارے لئے بہت وقت ہے"

صبر

صبر سب سے زیادہ سخت امتحان صبر اور ثبات کا ہے کہ موت سامنے کھڑی ہو اور اُس وقت بھی ہوش، عقل، حواس اور مذہب سب اپنی اپنی جگہ رہ کر اپنا کام کرتے رہیں اور قولے فعلی و انفعالی میں خلل نہ واقع ہو۔

صبر کا پہلا امتحان

پہلا امتحان تو میاں صاحب نے راولپنڈی کے جیل سے پاس کیا جہاں تقریباً ایک برس یا اس سے زیادہ مدت تک نظر بند رہے اور روزانہ پھانسی کی دھمکی دی جاتی تھی۔

دوسرا امتحان

دوسرے امتحان میں ۱۸۵۷ء کے غدر میں آپ کامیاب ہوئے جس زمانہ میں مولانا عبداللہ صاحب غزنوی قدس سرہٗ آپ سے صحیح بخاری پڑھتے تھے اور صحن مسجد کے اوپر سے توپ کے گولے دنا دن گذرتے تھے یہاں تک کہ ایک روز ایک گولہ حالت سبق میں بھی آکر گرا مگر نہ آپ ہراساں ہوئے اور نہ صحیح بخاری کو بند کیا اور جب تک انگریزوں نے دہلی کو فتح کرکے اہل دہلی کو نکال نہ دیا آپ نے جان کے خوف سے دلی کو نہ چھوڑا چنانچہ عبداللہ صاحب خود اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں "بخدمت خاتم المحدثین شیخنا سید محمد نذیر حسین صاحب رسیدم وکتاب صحیح بخاری شروع نمودم دراں میاں بلوائے دہلی شروع شد درعین بلوائے شدید کہ ہرکس بہ غم جان خود بود و من بخواندن کتاب مذکور تا حدے کہ نصاری غالب آمدند و اہل بلدہ را متفرق نمودند دراں ایام کتاب صحیح بخاری قریب الاختتام بود مگر بسبب پراگندگی اہل بلدہ درمیان من و سید صاحب ہم جدائی افتاد و کتاب ناتمام ماند"

تیسرا امتحان

تیسرا امتحان سفر حج میں ہوا جب کہ آپ کے دشمنوں کا ایک جتھا جس کے سردار ایک حیدرآبادی صاحب تھے مع اپنے ماتحتوں کے ہر وقت پستول بھرے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں گولی مارنے کی تاک میں پھرتا ہی رہتا تھا۔

اور آپ کو اچھی طرح یہ بات معلوم تھی مگر آپ نے مطلق پرواہ اس کی نہ کی طواف بیت اللہ میں فریضہ پنجگانہ حرمین میں اور وعظ و تذکیر میں مطلق فرق نہ آیا بلکہ برابر وہاں یہی کہتے رہے "کہ بہت پڑھا چکا ہوں اب یہاں مرنے ہی کو آیا ہوں"

توکل (۱۴)

توکل۔ طلبہ کے کھانے کا اہتمام جن کے ہاتھ میں تھا ایک دن بعد العصر انہوں نے آکر عرض کیا کہ آج آٹا وغیرہ کچھ نہیں ہے اور روپے بھی تحویل میں نہیں ہیں آپ نے جواب میں فرمایا کہ پھر مجھ کو اور تم کو اس کا فکر کیا ہے جس کے بندے ہیں وہ جانے مہتمم صاحب مایوسانہ انداز سے چلے مسجد کے باہر ہی پہنچے تھے کہ ایک صاحب آئے اور پانچ روپے پیشکش کئے آپ نے ایک طالب علم کو کہا کہ مہتمم صاحب جاتے ہیں پکار لینا۔ وہ فوراً اُلٹے پاؤں پھرے روپے سامنے رکھے ہوئے تھے فرمایا کہ لو صاحب اب تو سامان ہو گیا۔ اُنھوں نے وہ پانچ روپے اُٹھائے اور روانہ ہو گئے۔

آپ کو اس کا فکر کبھی نہ ہوا کہ مدرسہ کی عمارت جو تعمیر ہو رہی ہے اُس کے لئے روپیہ کہاں سے آئے گا۔ طلبہ کے کھانے کا کل کیا بند و بست ہو گا جو روپیہ آپ کے ہاتھ میں آتا اور جو ضرورت اُس وقت لاحق ہوتی فوراً اس میں خرچ کر دیتے اُس وقت اگر کوئی محتاج سائل یا غریب آجاتا تو اُسی کو دے دیتے۔

مثنوی

دانی کہ حساب کار چون ہست	سررشتہ ز دست ما برون ست
چوں کار بہ اختیار ما نیست	بہ کردن کار کارِ ما نیست

دلی کی گرمی

مجاہدہ صبح سے ۱۱ بجے دن تک آپ درس قرآن و حدیث میں اس طرح مصروف رہتے کہ زانو نہ بدلتے چہرہ پر دھوپ آجاتی مگر پیشانی پر بل نہ آتا۔ مولانا شریف حسین صاحب مرحوم کی امامت میں کوئی نماز نصف گھنٹے سے کم میں تو ختم ہی نہ ہوتی جو بجائے خود ایک ریاضت شاقہ تھی۔ دلّی کی گرمی سے جو لوگ واقف ہیں وہ اس مجاہدہ کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ پھر وہ بھی چلے دو چلے نہیں بلکہ تمام عمر اور ایسی دراز عمر کے آخری حصّہ تک جاری رہا ایک بجے شب سے

نماز تہجد قضا نہیں ہوئی

شب بیداری اور قیام لیل (تہجد) کبھی قضا نہیں ہوا۔

ہر موسم میں نماز جمعہ کے لئے جامع مسجد پیادہ پا جانا

دھوپ گرمی جاڑا برسات ہر موسم میں باوجود بعد راہ ۱۱ بجے پیادہ پا جامع مسجد جاتے دو بجے واپس آتے چھتری تمام عمر کبھی لگائی نہیں۔ سر پر ایک مُخطط موٹی چادر رکھ لیتے ماہ مبارک رمضان میں نماز صبح سے نماز مغرب تک قرآن اور تفسیر جلالین پڑھاتے بلکہ آگے آگے خود پڑھتے جاتے۔ غیر رمضان میں تو ۱۱ سے ۱۲ بجے تک ایک گھنٹہ کی مہلت بھی ملتی تھی رمضان میں وہ بھی نہیں۔ جاڑے کا موسم تو الگ رہے گرمیوں کے رمضان میں بھی یہی حالت رہتی جیسے جیسے وقت گذرتا جاتا جوش بیان اور بڑھتا جاتا آواز بلند ہوتی جاتی زیادہ بشاش معلوم ہوتے۔

رمضان سے کام ایک ختم تفسیر جلالین

قیام لیل میں دو ختم قرآن مجید

لیالی رمضان المبارک میں دو ختم قرآن مجید کا بحالت قیام ہر سال سنتے ایک تو نماز عشا کے بعد تراویح میں جس کے امام تھے حافظ احمد عالم فقیہ محدث جو **آپ** کے شاگرد رشید تھے تین سیپارے روزانہ سناتے ترتیل و تجوید کے ساتھ۔ دوسرا ختم سنتے نماز تہجد میں جس کے امام ہوتے حافظ عبدالسلام سلمہ (**آپ** کے بڑے پوتے) اس کے بعد طالب علموں کے لئے سحری اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے مسجد اور مدرسہ میں آتے اور ہر آدمی کو جگا کر کھلاتے۔ ناظرین اس مجاہدہ کا حال پڑھ کر یہ خیال نہ کریں کہ شیخ کو اس مجاہدہ سے کچھ تکلیف ہوتی ہوگی بات یہ ہے کہ العادۃ کالطبیعۃ الثانیۃ یہ مجاہدہ بھی اُن کے لئے طبیعت ثانی ہوگیا تھا۔ اگر اس میں خلل واقع ہوتا تو بے شک تکلیف ہوتی اور اسی میں اُن کو راحت سرمدی حاصل تھی۔ مگر یہاں ایک سوال یہ ہے کہ جس مجاہدہ میں نفس کو مشقت نہ ہو تو وہ مجاہدہ ہی کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مشقت نہیں ہوتی تھی کیوں؟ عادت ہو جانے سے! اور عادت طبیعت ثانی ہوئی کیونکر؟ **استقامت** سے بس یہی تو کمال ولایت ہے فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ۔

العادۃ کالطبیعۃ الثانیہ

کمال ولایت استقامت ہی

یہ بات بھی دیکھنے کی ہے کہ جس کے مخالفوں اور دشمنوں کی تعداد کثیر نے ہندوستان سے عرب تک اس کے قتل کی سازش، دھمکی اور ایذا دہی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا ہو۔ اور اُس نے بمقولے أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ وبمصداق لَا يَخَافُونَ فِي اللَّهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ اپنی اس طول

طویل زندگی کو اُسی آب وتاب سے تباہ دیا ہو اِس سے زیادہ استقامت کی دلیل اور کیا ہوسکتی ہے۔

اللہ و رسول کی محبت

اس میں شک نہیں کہ محبت دیکھنے کی چیز نہیں ہے بلکہ کیفیات قلبیہ میں سے ہے ؎

محبت جادۂ دارد نہاں در خلوت دلہا	چو تار سبحہ گم کردند ایں رہ زیر منزلہا

مگر اس کی علامت خود شارع علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بتادی مَنْ أَحَبَّ شَيْئًا أَكْثَرَ ذِكْرَهٗ محب کو محبوب کے ذکر میں جو مزا آتا ہے وہ دنیا وما فیہا کی کسی چیز سے بھی حاصل نہیں ہوسکتا۔ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں أَهْلُ الْقُرْآنِ أَهْلُ اللّٰهِ وأَهْلُ الْحَدِيثِ أَهْلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ اور مولانا جامی قدس سرہ فرماتے ہیں ؎

خوش آں ممبر و مسجد و خانقاہے	کہ در وے بود قیل و قالِ محمدؐ

شیخ یہ شعر اکثر خود پڑھا کرتے تھے ؎

محبتے ست کہ دل را ہمی دہد آرام	وگرنہ کیست کہ آرام جاں نمی خواہد

حدیث غذا اور دوا کا حکم رکھتی تھی

حق تو یہ ہے کہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے لئے غذا اور دوا دونوں کا حکم رکھتی تھی۔ غذا کا اس لئے کہ آپ بیشتر فاقے کرتے روزے رکھتے مگر طاقت جسمانی میں فرق نہ آتا اور درس قرآن و حدیث نہ کبھی ناغہ کرتے اور نہ حتی الوسع کم کرتے اور رمضان کے زمانے میں تو اور بھی زیادہ تیز ہو جاتے،

ضیق النفس کا دورہ اور اُس کا علاج

اور دوا کا اس لئے کہ اکثر آپ کو ضیق النفس کا شدید دورہ ہوا کرتا جس میں نشست و برخاست کی تو کیا دم زدن کی قدرت بھی نہ رہتی اس حالت میں آپ ڈولی پر مسجد میں تشریف لاتے اور بمشکل تمام کھسک کر اپنے ٹاٹ پر بیٹھتے اور طلبہ کی طرف سبق لانے کا اشارہ کرتے۔ جب سبق حدیث کا شروع ہوجاتا تو تھوڑی ہی دیر حدیث سننے کے بعد آپ چاق ہو جاتے اور پھر گھنٹوں اپنے خاص انداز بیان کے ساتھ اس طرح درس دیتے رہتے کہ درمیان میں اگر کوئی شخص آکر شریک ہوتا تو کبھی اُس کے وہم میں بھی یہ بات نہ آسکتی کہ تھوڑی